Osmania University Library

Call No. [illegible]   Accession No. 15583 / ۱۵۵۸۳

Author [illegible]

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

مطبوعات
انجمن ترقی ہندستانی

قیمت
ایک روپیہ آٹھ آنے

دمنی

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور

کے ایک طویل افسانے کا آزاد ترجمہ

جی۔ ام۔ خان ام۔ اے (عثمانیہ)

ایڈیٹر "ہندستانی ادب" اور معتمد "انجمن ترقی ہندستانی"
حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

مقدما

یہ سچ ہے کہ ٹیگور کا شاید ہی کوئی کارنامہ ہندستانی زبان میں ترجما ہونے سے رہ گیا ہو۔ لیکن عجیب اتفاق کی بات ہے کہ یہ طویل افسانا بچ رہا۔ یہ افسانا ''اسے اسٹوری ان فور چاپٹرس'' کے نام سے کلکتے کے مشہور علمی ادبی انگریزی رسالے ''ماڈرن ریویو'' کے چار مسلسل نمبروں میں چھپا تھا۔ مگر ۱۹۲۲ء سے ہمارے ترجما کرنے تک اور اس کے بعد سے آج تک بھی کسی نے اس کو چھوا تک نہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ٹیگور کا یہ ادبی کارناما بھی لاکھوں ہی کی نظر سے گذرا ہوگا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ طویل افسانا کتابی شکل میں بھی چھپ چکا ہے اس کے باوجود ہندستانی زبان کے ادیبوں اور ترجما کرنے والوں کا اس طرف توجہ نہ کرنا واقعی حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ مگر ہمارے خیال میں تعجب کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ہندستانی زبان کے لکھنے اور پڑھنے والے دونوں طبقوں کے لوگ رومان، رومان، اور صرف رومان ہی کو تلاش کرتے ہیں اور جس کسی تصنیف میں رومان نہ ہو وہ صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اس میں مزاح، مذاق یا مسخرا پن شروع سے آخر تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو۔ مگر ٹیگور کی اس تصنیف میں رومان ہی ہے اور نہ مزاح اس لیے ٹیگور کی زندگی کا یہ شاہکار ہندستانی زبان جاننے والوں کی نظر سے اب تک اوجھل ہی رہا۔

اس طویل افسانے میں ٹیگور نے زندگی کے فلسفے کو حل کر دیا ہے اور کمال یہ کیا ہے کہ اپنے ہی خاندان کے افراد کو افسانوی کردار میں پیش کیا ہے۔ غالباً عورتوں کے

کردار کا تعلق ٹیگور کے خاندان سے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ٹیگور کی سوانح حیات کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ ہمارے اس دعوے کو آسانی سے مان لیں گے۔ اس افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ خود ٹیگور نے اپنا کردار بھی پیش کر دیا ہے اس معمے کو ہم پڑھنے والوں کے حل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ پورا افسانہ پڑھنے سے پہلے ہی ہر شخص ٹیگور کے کردار کو آسانی سے معلوم کر لے گا۔ اس لیے کہ جگہ جگہ ایک کردار میں ٹیگور سی خصوصیتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

یوں تو ٹیگور کی انگریزی تحریر بڑی آسان اور سلیس ہوتی ہے اور ترجمہ کرنے والا ذرا بھی دقت محسوس نہیں کرتا مگر یہ ضرور ہے کہ بعض صورتوں میں ترجمہ کرتے وقت اصل مطلب اور خصوص مفہوم کو جیسے کا ویسا پیش کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس کی آسان صورت بامحاورہ آزاد ترجمہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی سہولت کے پیش نظر ہم نے اسی اصول کے تحت یہ ترجمہ کیا ہے۔ اور اس بات کی امکان بھر کوشش کی ہے کہ ترجمے میں اصل کی سی سلاست اور روانی باقی رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس مقصد میں ہمیں بڑی حد تک کامیابی ہوئی ہے۔

یہ ترجمہ ہم نے آج سے کئی سال پہلے کیا تھا جو ہمارے قلمی نام سے بعض رسالوں میں قسط وار چھپ چکا ہے اب اسی کا نسخہ کو کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے اس ترجمے کے علاوہ ہماری اور بھی کئی ایک تصنیفیں موجود ہیں۔ جو کئی سال سے غیر چھپی پڑی ہوئی ہیں۔ پہلے ہمارے مالی حالات اس قابل نہیں تھے کہ خود ہم اپنے طور پر ان کو چھپوا لیتے۔ دوسرے یہ کہ ہم ناشروں کی خوشامد چاپلوسی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر کار مجبور ہو کر خود ہم نے اپنی تصنیفوں کی چھپائی کی مہم شروع کر دی ہے جس طرح بھی ہو سکے اس سلسلے کو جاری رکھا جائے گا۔ اسی سلسلے کی پہلی کڑی پورے ہندوستان کے واحد نمائندہ ادارے

انجمن ترقی ہندستانی

کی سرپرستی میں پیش ہے اس انجمن کی داغ بیل آج سے چند سال پہلے ڈالی گئی تھی۔ اس کی سرپرستی میں پہلے چار کتابیں چھپ چکی ہیں اور ایک طویل عرصے کی خاموشی کے بعد اس سلسلے کا یہ پانچواں نمبر ہے اور آیندہ بھی مسلسل اس انجمن کی سرپرستی میں کتابیں چھپتی رہیں گی۔ ہر ہندستانی کا فرض ہے کہ اس انجمن کا ہر طرح سے ہاتھ بٹائے۔

ہندستانی

تمام ہندستانیوں اور پورے ہندستان کی عام اور ملی جلی زبان ہے ہم اسی زبان کو پروان چڑھانے کی امکان بھر کوشش کر رہے ہیں چونکہ یہ زبان کسی ایک خاص طبقے کی نہیں ہے اسی لیے ہماری یہ کوشش ہے کہ عوام کی یہ زبان بہت ہی عام اور مقبول ہو۔ اس کو عام پسند اور قابل قبول بنانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ یہ زبان بلکل سائنٹیفک اصول یعنی صوتی طریقے پر لکھی جائے چنانچہ ہماری تمام کتابیں اسی ڈھنگ پر لکھی جا رہی ہیں۔ اس لیے پڑھنے والوں کو اس نئے طرز املا سے اجنبانہ ہونا چاہیے۔

اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈے دل سے اس آسان اصول پر غور فرمائیں تو لازم آپ بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ ہمیں قوی ترین توقع ہے کہ آپ اس سنہرے اصول کو اختیار کر کے زبان کی ترقی میں مددگار اور معاون ثابت ہوں گے۔ آپ بھی اپنی کتاب اس نئے اصول پر چھپوانا چاہیں تو معتمد "انجمن ترقی ہندستانی" حیدرآباد دکن کو تفصیلات کے لیے لکھیے



پہلا باب

جگ موہن

پہلا باب

جگ موہن

(۱)

جب میں پہلی دفعہ سنتیش سے ملا تھا تو مجھے اس کا چہرہ چاند سے زیادہ پاک صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں روشن اور چمکدار تھیں۔ اس کی گوری اور پتلی پتلی انگلیوں میں خون کی روانی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آگ کے نرم شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اور اس کے تمتماتے چہرے سے جوانی کی بہاریں عیاں تھیں مجھے یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ ایک ایسے خوب صورت لڑکے سے اس کے اکثر ساتھی محض اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ وہ اپنی دھن کا پکا ہے۔ اور کسی دوسرے کے رنگ میں رنگ ملانے کے لیے تیار نہیں۔ انسان ہو یا حیوان ہر ایک کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اپنی حفاظت اور بقا کے لیے ماحول کا ساتھ دے ورنہ الگ پائی اور تنہائی اس اختلاف کا لازمی نتیجا ہو گا۔

میں سنتیش کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ میں جس اقامت خانے میں رہتا تھا وہاں کے تمام طلبا خوب جانتے تھے کہ میں سنتیش کی عزت کس لیے کرتا تھا۔ صرف یہی ایک بات عمران کی بے چینی کا باعث ہوئی اور انہیں جب کبھی موقع ملتا میری موجودگی میں سنتیش کو برا

بھلا کہنے میں دریغ نہ کرتے۔ ان کی بے ہودا گفتگو سن کر اگرچہ ہر وقت میں ان سے لڑنے تیار ہو جاتا تھا لیکن پھر اس خیال سے رک جاتا کہ جھگڑا بڑھانے سے فائدہ؟ جب آنکھ میں کوئی تنکا گرے تو اس سے نجات پانے کی بہتر صورت یہ ہے کہ آنکھ کو رگڑا نہ جائے ورنا بلا وجہ تکلیف ہوگی، اسی طرح جب کوئی بے ہودا شخص آپ کو برا بھلا کہے تو بس

"جواب جاہلاں باشد خموشی"

کہ کر خاموش ہو جانا چاہیے لیکن ایک روز کا اتفاق یہ ہے کہ ان احباب نے ستیش کو ایسی فحش گالیاں دینی شروع کیں جن کو سن کر مجھے بہت غصہ آیا اور قریب تھا کہ میں ان بے ہودوں پر ٹوٹ پڑوں لیکن فوراً خیال آیا کہ میں ستیش کا ایک نیا دوست ہوں اس کے حالات سے پورے طور پر واقف نہیں اس کے برخلاف ان لوگوں میں اکثر اس کے پرانے ساتھی، بعض اس کے ہم سایا اور بعض دور کے رشتے دار بھی تھے۔ اس لیے میری نیت بھی ڈانوا ڈول ہوگئی کہ واقعی کچھ دال میں کالا ہے اس کے باوجود میں ستیش کی مخالفت کے لیے تیار نہ تھا اس لیے میں نے انہیں سختی سے کہا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں سب جھوٹ ہے ستیش ہرگز ایسا انسان نہیں وہ بہت نیک سیرت اور فرشتہ خصلت شخص ہے اس لیے میں دل سے احترام کرتا ہوں تم کو بھی اس کی عزت کرنی چاہیے۔ میری یہ گفتگو سن کر اقامت خانے کے میرے تمام ساتھی آگ بگولا ہو گئے اور چیخیں مار کر کہنے لگے۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے ایک بے ہودے کے ساتھ تم بھی بے ہودے

بن رہے ہو۔ افسوس! افسوس!! غضب خدا کا۔"

رات بڑی مصیبت کے ساتھ کٹی دوسرے روز دوپہر کے وقفے میں جب کہ ستیش کالج کی چار دیواری میں گھانس پر لیٹا مطالعہ کر رہا تھا میں اس کے قریب گیا اور بغیر کسی صاحب سلامت کے کچھ تیزی اور کچھ پریشانی کے عالم میں چند جملے کہے لیکن خود مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس سے کیا کہا۔

میری گفتگو سن کر ستیش نے کتاب بند کر دی اور مجھے غور سے گھورنے لگا۔ میں اس وقت کی حالت بیان کرنے سے مجبور ہوں کہ وہ کس بری طرح سے مجھے گھور رہا تھا۔ آخر میں ایک لانبے سکوت کو توڑتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا۔

"جو لوگ مجھ پر الزام دھرتے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ سچ کو عزیز رکھتے ہیں اور ایک حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے بلکہ اس لیے کہ ان کی دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی الزام مجھ سے منسوب کر کے خوش رہیں اس اعتبار سے میں اس بات کو فضول سمجھتا ہوں کہ اپنے پر لگائے ہوئے جرم کو غلط ثابت کر کے انہیں اور بھی ناخوش کیا جائے"

میں نے کہا کہ کیا جھوٹوں کے متعلق تم یہ کہہ رہے ہو؟ کیا وہ دراصل جھوٹے نہیں ہیں؟ ستیش نے بات کاٹ کر کہا۔

"میرا ایک غریب نوجوان ہمسایا تھا۔۔۔" ایک لمبی سانس کھینچ کر اس نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا" اس کو سردی کے دورے ہوا کرتے تھے چنانچہ پچھلی سردیوں میں میں نے اسے ایک کمبل دی تھی یہ معلوم کر کے میرا ملازم غصے کی حالت میں آیا اور مجھ سے

کہنے لگا کہ وہ شخص کسی مرض میں مبتلا نہیں تھا بلکہ اس قسم کے بہانے کرنے کا عادی ہے۔ اب اگر میرے ساتھی مجھ پر غصہ کرتے ہیں تو کرنے دو اس لیے کہ میں انہیں اپنے ملازم کے مثل سمجھتا ہوں۔ وہ خدا جانتے ہیں کہ ان کا یہ فعل کس حد تک واجبیت پر مبنی ہے۔"

"شاید خوش قسمتی سے مجھے ایک نیا کمبل مل گیا ہے۔ جس کو ممکن ہے وہ سمجھتے ہوں کہ ان کے شایان شان ہوگا۔"

اس کے بعد میں نے اس سے یہ سوال کرنے کی جرات کی کہ ان کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے کہ تم ایک دہریے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا "ہاں۔ ان کا بیان ٹھیک ہے۔"

اس کا یہ جواب سن کر میرا دماغ رفو چکر ہو گیا۔ اب میری ان پرزور تردیدوں کا کیا جواب تھا کہ سٹینش ہرگز دہریا نہیں ہے۔"

سٹینش سے دوستی پیدا کرنے کے بعد مجھے دو تلخ تجربے ہوئے۔ پہلے یہ کہ میں اس کو برہمن سمجھتا تھا لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ اصل میں ذات کا بنیا ہے اور میری رگوں میں اعلا خاندان کا خون دوڑ رہا ہے اس لیے اصول میں بنیوں سے نفرت کرنے پر مجبور تھا۔ سٹینش کے حالات معلوم کرنے کے بعد مجھے جو دوسری تکلیف ہوئی وہ یہ تھی کہ سٹینش ایک پکا دہریا نکلا۔ اور ایک دہریا شخص میری نظر میں ظالم بانیوں سے بھی بدتر بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر یہ کہ گائے خوروں سے بھی پلید ہے۔

کوئی شخص خواب میں بھی یہ خیال نہ کر سکتا تھا کہ میں ایک بنیے کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پان کروں گا۔ یا یہ کہ میرے پکے مذہبی جذبات

دہریت کی تعلیم کو قبول کریں گے۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ یہ دونوں باتیں آخر میں ہو کر ہی رہیں۔

کالج میں ہمارے ایک پروفیسر کا نام وکنس تھا ان کی معلومات اتنی ہی بڑی ہوئی تھیں جتنی کہ کمزور رائے وہ اپنے شاگردوں کے متعلق رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بنگالی طلبا کو انگریزی ادب کی تعلیم دینا بلکل ایسا ہی ہے جیسے کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔ اس لیے وہ پڑھاتے وقت بڑی بے اعتنائی برتتے تھے۔ اس کے باوجود تمام طلبا ان کے لیکچر کے نوٹس لینے پر مجبور تھے لیکن ستیش جماعت کے کام سے معاف کر دیا گیا تھا۔ اور پروفیسر صاحب نے اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر تم میرے گھر آ ؤ تو تمہارے عزیز وقت خراب ہونے کا اچھا بدل تمہیں مل جائے گا۔ اس وجہ سے دوسرے تمام ہم جماعت پروفیسر کی اس جانب داری کو ستیش کی خوب صورتی اور اس کے دہریے پن پر محمول کرنے لگے۔ ستیش کے ساتھ پروفیسر کی یہ مہربانیاں انہیں بھی معلوم ہوتی تھیں۔ ان میں سے بعض زیادہ حاسد اور کچھ ہشیار لڑکے پروفیسر کے گھر بے بلائے بھی چلے جاتے تھے۔ اور پروفیسر سے مختلف قسم کے سوالات کر کے اپنا بھی اثر جمانا چاہتے تھے۔ نیز اس سے چند ایسی کتابوں کا مطالبہ کرتے جو بڑے مسایل پر مبنی ہوں۔ پروفیسر صاحب انہیں صاف جواب دے دیتے کہ یہ کتابیں ان کی سمجھ سے باہر ہیں گویا وہ ایسے نا قابل ٹھہرے کہ دہریت جیسی آسان چیز بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ستیش کے پہلے سے زیادہ دشمن بن گئے۔

(۲)

جگ موہن ستیش کا چچا تھا۔ وہ اپنے زمانے کا بڑا مشہور اور زبردست دہریا تھا۔ یعنی وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ جو خدا کے کسی طرح قایل نہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ خدا محض ایک تصوری شئے کا نام ہے جو سمجھو تو ہے ورنا خیریت۔ اس کا ایک نظریا یہ بھی تھا کہ اگر حقیقت میں خدا کا وجود ہے تو ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہیے کہ اس کے پانے کے لیے ہم ایسی تدبیریں اختیار کریں کہ ان کے بعد ہماری عقل معذور رہے لیکن لطف تو یہ ہے کہ خدا ہماری عقل ہم سے کہتی ہے کہ خدا کوئی چیز نہیں۔ یہ سب خیالی ڈھکوسلے ہیں اس لحاظ سے اب ہم آپ کو خدا کا پیغام سناتے ہیں چناںچہ وہ کہتا ہے کہ "میں ایک لاموجود اللہ ہوں تاہم تم ہندو دھرم کے شیدائی ہو۔" جگ موہن کہتا تھا "خدا کے منوانے کی کوشش کرتے ہو تمہارا اصرار خدا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ ایک ایسی چیز کا یقین دلانا چاہتے ہو جس کا وجود ہی نہیں اور جو چیز واقعی موجود ہے اس کے قبول کرنے میں انسان کے دل دماغ اور ضمیر کو کبھی کوئی تامل نہیں ہوتا۔ چونکہ ایک وہمی خدا کے بلا وجہ بھی قایل ہو اس لیے تم میں سے ہر شخص پر اپنے اپنے خیالی خدا کا قہر نازل ہوتا رہتا ہے اور یہ تمہارے ان معصوم گناہوں کی واجبی سزا ہے۔ جس کے تم بجا طور پر مستحق ہو۔"

پرانے طریقے کے مطابق جگ موہن کی شادی بھی بچپن ہی میں ہو چکی تھی۔ اپنی بیوی کے انتقال سے پہلے اس نے مالتھس کا مطالعا

کیا تھا اس وجہ سے پہلی بیوی کے مرنے کے بعد جگ موہن نے پھر کبھی کوئی شادی نہیں کی تھی۔

اس کے چھوٹے بھائی کا نام ہری موہن تھا۔ اس شخص کے کئی لڑکے تھے۔ جن میں ستیش نامی بھی ایک لڑکا تھا۔ ہری موہن اور جگ موہن کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ان دونوں کی طبیعتوں کے اختلاف کا صحیح صحیح اندازہ کرنا ہو تو یہ سمجھ لو کہ اگر ایک کی فطری خصلتیں مغرب کے آخری حصے پر واقع تھیں تو دوسرے کی مشرق کے آخری حصے پر۔ بہرحال ان دونوں کے عادات واطوار اور چال چلن کے غیر معمولی فرق کے باعث ہر شخص کو ان کے بھائی بھائی ہونے میں شبہ ہوتا تھا۔

ہری موہن بچپن میں اکثر بیماریوں کا شکار رہتا تھا۔ اس لیے وہ ایک کمزور قویٰ کا انسان واقع ہوا تھا۔ گھر کا چھوٹا رکن ہونے کے باعث اس سے ہر شخص کو محبت تھی۔ بخصوص والدین کا وہ بہت چہیتا تھا۔ اس باپ نے اس کی تیمارداری اور علاج معالجے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی نہ صرف دوا دارو ہی پر اس کا علاج منحصر تھا بلکہ تعویذ گنڈے کے فلیتے فال رمل، نجوم بزرگ برہمنوں کی چھو چھا اور اولیا اللہ کے مقبروں کی خاک وغیرہ سے بھی اس کا علاج کیا جاتا تھا۔ بلیات سے بچانے کے لیے اس کے گلے میں اس قدر تعویذ ڈالے گئے تھے کہ ہری موہن کا جسم چھپ جاتا تھا۔

جب ہری موہن بڑا ہوا تو اس کی صحت اس قدر اچھی تھی کہ وہ ایک مسنڈ بیل نظر آتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کے والدین

اس کی صحت کے شاکی رہتے تھے۔ اور کچھ نہ کچھ علاج معالجہ کرتے رہتے تھے۔ اس لیے گھر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کو معمولی سا بھی کام بولے وہ بے کاروں کا ماں باپ بنا بے فکری کے ساتھ کھا پی کر وقت گزارتا تھا۔ اتفاقاً اگر اس کا دل کسی کام کی طرف خود بخود راغب ہوتا تو محنت کے نام سے ڈر کر وہ اس خیال کو پھاٹ پتے دماغ سے دور کر دیتا تھا۔ اس نکمے پن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے دن ڈو خدا اپنی صحت کی شکایت کرنے لگا۔ تاکہ خرابی صحت کا دکھڑا سن کر گھر کے جملہ ارکان اس کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ چنانچہ اس کے لیے خاص خاص غذائیں تیار کی جاتی تھیں۔ مربے حلوے میٹھے مقویات اور مرغن غذاوں کے علاوہ ایسی دواوں کا استعمال بھی کرایا جاتا تھا۔ جو بھوک اور ہاضمے میں مدد دیں۔ صبح سے شام تک ہری موہن کو سوائے واڑ چلانے کے اور کوئی کام نہ تھا ابھی ہری موہن بستر ہی میں ہے کہ ماں نے اس کے لیے گھی میں تر بتر چار روٹیاں تلیں اور دوسرے لوازموں کے ساتھ مسکا وغیرہ بھی رکھا۔ خوشامد برامد سے بیٹے کو جگایا۔ پھسلا مٹار کر موتھ ہاتھ دھلایا اور خود اپنے ہاتھ سے نوالے دینا شروع کیے۔ ہری نے نازو اور نخرے سے تین روٹیاں چٹ کرلیں۔ اور چوتھی روٹی پر منا سے بھی نہیں مانتا۔ ماں کو فکر ہوگئی کہ بچہ بھوکا رہ گیا۔ فوراً ایک سیر دودھ گرم کرکے اس ضدی دیو کے بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی گئی۔ ماں اور دوسرے رشتے داروں کے پاوں ہاتھ پڑنے اور خوشامد چاپلوسی کرنے سے ہری نے تقریباً تین پاو دودھ ہضم کرلیا

پاؤ سیر دودھ کے بچ رہنے سے ماں کی فکر پھر بھی باقی رہی۔ اس کو نہ اپنے کھانے کی فکر ہے اور نہ کسی دوسرے کا خیال۔ دن رات لو لگی ہے تو صرف ہری کے کھانے پینے کی۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک کبھی غذا کبھی دوا اور کبھی مقویات کا استعمال کرایا جاتا۔ دن تمام میں ہری کی کھائی ہوئی چیزوں کی مقدار خاندان کے تین چار افراد کی مجموعی غذا کی مقدار کے مساوی ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ماں اور خود ہری کو اپنے کم کھانے کی شکایت رہتی تھی۔ اس طرح ہری کھاتا زیادہ کام مطلق نہیں کرتا اور سوتا بہت تھا۔ اسکی زندگی نہ صرف غذاؤں اور دواؤں پر منحصر تھی بلکہ دعاؤں پر بھی بڑا دار ومدار تھا۔ اور عملیاً اس کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ ہندومت کے ان گنت خداؤں کی نظر عنایت اس کے حال پر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعد میں چل کر ہری موہن زبردست خدا پرست اور کٹر مذہبی بن گیا۔ لیکن جگ موہن کے خیالات بالکل الگ تھے۔ وہ نہ صرف خدا اور دیوتا کے نام سے متنفر تھا بلکہ مال دار افراد سے بھی اس کو ایک خاص قسم کا بغض تھا۔ اگر کوئی مال دار شخص اس سے ملنا بھی چاہتا تو وہ اس کو اپنے قریب پھٹکنے تک نہ دیتا تھا تاکہ غرور اور تمکنت کی ہوا اس کو نہ لگنے پائے۔ قصہ مختصر جگ موہن کسی کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

ہری موہن کی شادی وقت مقررہ سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ تین لڑکیوں اور تین لڑکوں کے بعد ہری موہن کے گھر ستیش پیدا ہوا تھا۔ ستیش ہر حیثیت سے اپنے چچا جگ موہن کا ثانی تھا۔ ہر شخص قسم

کھا کر یہ کہہ سکتا تھا کہ ستیش جگ موہن کا بیٹا ہے۔ جگ موہن کو ستیش سے دلی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے ستیش کو اپنی ہی نگرانی میں لے لیا۔

اول اول ہری موہن کو بڑی خوشی ہوئی کہ بڑے بھائی نے ستیش کو نبنا کیا ہے۔ چونکہ جگ موہن اپنے زمانے کا مانا ہوا عالم تھا۔ اس لیے ستیش کی تربیت کے علاوہ اس کی تعلیم کے بھی اعلا طریقے اختیار کیے گئے۔ ایک ایسے عالم فاضل چچا کی نگرانی میں ستیش کی تعلیم اور تربیت دیکھ کر ماں باپ کے علاوہ ہر شخص خوش ہو سکتا تھا۔

ہری موہن کے سب سے بڑے لڑکے کا نام پورندر تھا اس کی اٹھان بھی اپنے باپ کی طرح ہوئی تھی۔ اس لیے پورندر ایک نہایت ضدی اور پرلے درجے کا ناکارہ انسان تھا۔ اس کی ضد کی انتہا یہ تھی کہ اگر بچپن میں کبھی وہ خدا کے حاصل کرنے پر اڑ جاتا تو ایک مصنوعی خدا کو دیکھے بغیر اسے چین نہ پڑتا تھا۔ ہر کام اور ہر چیز میں اس کا یہی حال تھا۔ انتہا درجے کی ناز برداری کے باعث آگے چل کر اسکی زندگی تلون کا نمونا بن گئی تھی۔ چنانچہ بڑے پن میں بھی اس کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ دس کا مطالبہ کرتا تو ایک پائی کم دس کبھی نہ لیتا تھا۔ ماں باپ یہ سمجھ کر اس کی خواہشوں کو پورا کر دیتے تھے کہ اس کا نازک دل انکار کے تلخ اور ترش صدموں کا بار نہ اٹھا سکے گا۔ یہی اسباب تھے کہ بچپن میں پورندر کی تعلیم اور تربیت کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ خاندانی روایت کے مطابق چھٹپن ہی میں اس کی شادی ہو چکی تھی۔ جوان ہونے کے بعد بیوی

کو اس سے کئی ایک شکایتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ شوہر کی شکایت جب وہ اپنے سسر سے کرتی تو ہری موہن خود اس کو الٹے ڈانٹتا اور کہتا کہ اگر وہ خوب صورت ہوتی اور شوہر کی اطاعت کرتی تو پورندر اس سے ناخوش کیوں رہتا۔

جگ موہن اپنے بھائی کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اور لڑکوں کی طرح ہری موہن کی نگرانی میں سنیش کی بھی مٹی پلید ہو گی۔ اس لیے اس نے سنیش کو اپنی ہی نگرانی میں لے لیا تھا تاکہ سنیش جس کے چہرے سے ذکاوت کے آثار نمایاں تھے۔ ان آنے والی خرابیوں اور بربادیوں سے بچا رہے۔ جگ موہن جیسے عالم کی صحبت کا اثر یہ ہوا کہ بہت ہی کم عمر میں سنیش نے انگریزی زبان پر وہ قدرت حاصل کر لی کہ سننے والے حیرت کرتے تھے۔ سنیش نے نہ صرف زبان سیکھی بلکہ اس زبان کے زبردست عالموں کی تصانیف کا گہرا مطالعہ بھی کیا۔ خصوصاً مل اور بنتھام کے اصول و عقیدوں نے اس کے دماغ میں دہریت کی آگ کے شعلے بھڑکا دیے تھے سنیش کے ساتھ جگ موہن کا سلوک اور برتاؤ ایک نگران کا سا نہ تھا بلکہ وہ سنیش کو اپنا حقیقی بیٹا اور ایک نہایت ہی مخلص دوست سمجھتا تھا۔ اپنے ایک ننھے بھتیجے سنیش کو مخلص دوست کے مساوی سمجھنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ جگ موہن کے خیال میں لفظ "تعظیم" یا لفظ "ادب" انسانی تصور میں وہم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا اس کے علاوہ اس کا یہ بھی ایک خیال تھا کہ انسانوں میں احترام کا خیال پیدا کرنے سے شاید یہ مقصد ہو گا کہ ان میں

غلامانا ذہنیت پیدا کی جاسکے۔ ایک دفعہ کا اتفاق ہے کہ اس کے ایک بھتیجے داماد نے قدیم روایات اور آداب تحریر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک خط لکھا جس کی ابتدا اس فقرے سے کی تھی۔

"بعد از قدم بوسی عرض ہے کہ . . . . .

جگ موہن جیسا آدمی ان فضولیات کو کب روا رکھنے والا تھا اس کو یہ طریقہ نہایت ہی برا معلوم ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے داماد کو تنبیہ کے طور پر یہ کا خط لکھا:

"میرے پیارے نورن . . . .

میں نہیں سمجھ سکتا اور شاید تم خود بھی نہ جانتے ہوں کہ پاؤں کو مبارک یا تبرک جیسے لفظوں سے منسوب کرنے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا انتساب نہ صرف مہمل بلکہ لغو ترین کہا جا سکتا ہے اس لیے مناسب یہ ہوتا کہ اگر تم ایسے غیر موزوں لفظوں سے پرہیز ہی کرتے۔ جب تم اپنے خط کی ابتدا مکتوب الیہ کے پاؤں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کرتے ہو تو ایسی صورت میں مکتوب الیہ کو دلی صدمہ اس لیے پہنچتا ہے کہ تم اس کی اصلی ذات کو نظر انداز کر دیتے ہو مکتوب الیہ، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف اپنے پاؤں بلکے اور اجزائے جسم کا مالک ہوتا ہے اب تم خود غور کرو کہ مالک کی موجودگی میں اگر تم اس کی ملک کو مخاطب کرو گے تو مالک کو کس قدر برا نہ معلوم ہو گا۔ اس لیے تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک میرے پاؤں میرے جسم سے ملحق ہیں اس وقت تک تمہیں کوئی حق نہیں کہ انہیں تم ان کے مالک یا بڑے جز سے جدا سمجھو۔ اس

سلسلے میں تمہیں یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ پاؤں کو تقرب کا واسطہ بنانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو اس کی یہ حرکت مجنونانہ کہلائے گی۔ اس لیے کہ پاؤں جس مقصد کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان سے صرف وہی کام لینا چاہیے آخر میں یہ کہے بغیر نہ رہوں گا کہ تم نے پاؤں کا جو صیغہ جمع میں استعمال کیا ہے اس سے تمہاری ذہنیت کا پتا چلتا ہے کہ ایک سے زیادہ چیزوں کے لیے تمہارے دل میں کتنی عزت ہوتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ ہے تو میں تمہیں نیک مشورہ دوں گا جس میں خود تمہاری بھلائی ہے کہ آیندہ اسے تم گھوڑے یا کسی اور چوپائے کے پاؤں کو خاص طور پر مخاطب کیا کرو اس لیے کہ اس کے چار پاؤں ہوتے ہیں۔ چار! اس طرح مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس خاص نقطہ نظر سے بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ خدا کے اس خیال سے بھی آگاہ کر دوں کہ ان فضولیات سے تمہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔۔۔"

تمہارا۔ جگ موہن

جگ موہن تیش نے ایسے ایسے عنوانات اور موضوعوں پر بحث کرتا تھا جو چچا بھتیجے کے تعلقات میں عام طور پر کہیں بھی نہیں بحثے جاتے اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرتا کہ رشتے کے اعتبار سے ایسی گفتگو نہ کرنی چاہیے تو وہ جواب دیتا ــــ کہ اس لیے ضرورت حجاب کا پردا توڑنے کے لیے اس قسم کی گفتگو کی ضرورت ہے سیتش کی طالب علمانہ زندگی کے اختتام پر ہری موہن نے

در پردہ یہ کوشش شروع کر دی کہ جس طرح بھی بنے ستیش کو جگ موہن کے اثر سے الگ کر لیا جائے۔ ہری موہن اپنے بھائی جگ موہن سے جس قدر ڈرتا تھا اسی قدر ستیش لیے دین بن رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر اس کے بھائی اور بیٹے کی دہریت انہیں تک محدود رہتی تو مضائقہ نہ تھا۔ لیکن غضب اس بات کا تھا کہ ان کی لامذہبیت کے چرچے باہر آگ کی طرح پھیل رہے تھے۔ جگ موہن کو نہ مذہب ہی کی پروا تھی اور نہ قوم کی لاج کا خیال وہ عام بنگالیوں کی طرح صرف بکرے کے گوشت کا سالن کھانے پر اکتفا نہیں کرتا تھا بلکہ بنگالی ہندوؤں کے مذہب کے خلاف کھلے طور پر پرندوں کا گوشت بھی کھاتا اور دوسروں کو کھلا کر انہیں بھی گناہ گار کرتا تھا۔ جگ موہن کی ان حرکتوں سے خاندان کا ہر فرد نالاں تھا۔ ادھر افراد خاندان ان واقعات کو چھپانے کے لیے جھوٹ تک روا رکھتے تو ادھر چچا بھتیجے اپنی صرف ایک معمولی سی حرکت میں افراد خاندان کی جملہ کوششوں پر پانی پھیر دیتے تھے۔

جگ موہن کی لامذہبیت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ خدا پرستی میں انسان کی جو قوت بے جا طور پر صرف ہوتی ہے اس کو خلائق عامہ کی ہمدردی میں بجا طور پر صرف کیا جائے۔ عوام سے ہمدردی کرنے میں اس کو انتہائی خوشی ہوتی تھی۔ لامذہبیت سے اس کو اس لیے ڈر نہ ہوتا تھا کہ اس کے خیال کے مطابق دنیا بعد مرگ کوئی چیز ہی نہیں تھی جب آیندہ دنیا نہ ہو تو جنت دوزخ کہاں اور عذاب و ثواب کا سوال کیا معنی رکھتا ہے۔ چونکہ عذاب بعد مرگ خدا ایک

مہمل سی چیز ٹھہری تو پھر اس سے ڈرنا کون سی عقل مندی کی دلیل ہے اس سے اگر کوئی سوال کر بیٹھتا کہ دنیا تمام سے ہمدردی کا اظہار کرنے اور ان کی مدد کرنے سے تمہیں کیا حاصل ہا تو وہ جواب دیتا کہ "میں ہر کام بغیر کسی فائیدے کے خیال سے کرتا ہوں مجھے کسی قسم کے معاوضے کی ضرورت نہیں"

اس کے علاوہ ستیش سے بھی یہی کہتا کہ " بابا۔ لوگوں کی نظروں میں ہم وہ ہرے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا ایسا کہلوانا ہی ہمارے لیے باعث فخر ہے اور یہی فخر ہم کو اپنے اعمال سے بے گناہ رکھے گا۔ اس لیے کہ ہم ایک بے وجود دھبے کا بلا وجہ بھی اقرار کر کے جھوٹ کے مرتکب تو نہ ہونگے۔ ہماری راست گوئی کا نتیجا یہ ہے کہ کوئی شخص ہم کو عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ جب ہماری کوئی عزت نہیں کرتا تو ہم کیوں دوسروں کی عزت کریں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کس کی عزت کریں اگر کوئی ہم سے بڑا ہو تو اس کی عزت بھی کیجا سے۔ موجودہ صورت میں بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ ہم خود اپنی آپ عزت کریں تاکے دوسرے بھی ہماری عزت کرنے لگیں۔"

جگ موہن کے مکان کے قریب مسلمان چمڑا بیچنے والوں کے چند مکان تھے۔ یہ لوگ غریب تھے۔ جگ موہن کو ان مفلسوں کی حالت پر بہت رحم آتا تھا۔ چنانچہ وہ اور ستیش دونوں ان مفلوک حال ہمسایوں کی ہر طرح سے مدد کرتے۔ اگرچہ یہ لوگ اچھوت تھے تاہم جگ موہن اور ستیش ان کو چھونے کو نہ جھجکتے تھے۔ چچا بھتیجوں کی یہ ناگوار اور ناقابل برداشت حرکت سے وہ تمام ہندو متاثر ہو

جنہیں اس کا علم ہوا۔ خصوصاً ہری موہن کے دل میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے بھائی اور خدا اپنی ناخلف اولاد سے تک بات چیت کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن مذہب اور ذات پات کی بے حرمتی اس سے دیکھی نہ گئی۔ اس لیے اس نے ایک خاص ملاقات میں جگ موہن کو ڈانٹا کہ اس بلا وجہ کی بدنامی کے علاوہ انہیں کچھ خبر بھی ہے کہ ان پلیدوں پر تم کس قدر روپیا تباہ و برباد کر رہے ہو۔ جگ موہن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"بھائی صاحب! آپ کے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس امر کا مجھے خود خیال ہے آپ اطمینان رکھیں کہ میرے اس قسم کے اخراجات کی رقم جب اس رقم کے مساوی ہو جائے گی جو اب تک آپ نے ستنڈے برہمنوں پر خرچ کی ہے تو اس وقت میں خدا ان لوگوں کی مدد سے ہاتھ کھینچ لوں گا اور اس طرح ہمارا آپ کا حساب بلکل بے باق ہو جائے گا۔"

"تمہارے خدا" ہری موہن نے کہا۔

"ہاں میرے خدا" اس کے بھائی نے جواب دیا۔

"کیا تم ایک لامذہبی آدمی بن گئے ہو۔" ہری موہن نے جلا کر کہا۔

"نہیں" اس کے بھائی نے طنزاً کہا۔ "وہ لوگ ایک ایسے خدا کی پرستش کرتے ہیں جو نظر نہیں آتا۔ لیکن تم ایک ایسے خدا کی پرستش کرتے ہو جو انسانوں کو دکھائی دیتا ہے مگر وہ ایک بہرا اور گونگا خدا ہے اور میں ایک ایسے خدا کو پوجتا ہوں جو نظر بھی آتا ہے پھر دیکھ اور سن بھی سکتا ہے۔ اس اعتبار سے میرے لیے ناممکن ہے

کہ میں اس کو اپنا خدا نہ سمجھوں۔"

"کیا اس سے تمہارا یہ مقصد ہے" ہری موہن نے کہا "کہ یہ مسلمان چیتھڑے پہننے والے حقیقت میں تمہارے خدا ہیں۔"

"یقیناً" جگت موہن نے کہا "تم ان کی معجزنما قوت کا اندازہ اس وقت کرو گے جب میں ان کے آگے غذا رکھوں گا۔ وہ واقعی اس چیز کو نگل جائیں گے جس کے متعلق میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کام تمہارے خداؤں سے ناممکن ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوتی ہے کہ میرے خدا عجیب وغریب قدرتی کام انجام دیتے ہیں۔ اگر تم حقیقت میں عقل کے اندھے نہیں ہو تو ان کا یہ فعل دیکھ کر تمہیں بھی دلی خوشی ہوگی۔"

یہ خبر پاکر پورندرا اپنے چچا کے پاس آیا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں قسم کھا کر کہا کہ وہ ان اعمال کا بری طرح بدلا لے گا اور جگت موہن کی نامناسب دعوتوں کا یک لخت خاتمہ کر دے گا جگت موہن نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہندو کے بچے تو ذرا میرے خداؤں پر ہاتھ تو اٹھا کر دیکھ کہ وہ کیسے طاقتور ہیں اور کس بری طرح وقت واحد میں تجھ سے بدلا لیں گے۔ ایسی صورت میں مجھے کیا پڑی ہے کہ میں تجھے تیرے ارادے سے باز رکھوں۔"

پورندرا اپنے باپ سے بھی زیادہ نامرد واقع ہوا تھا۔ اسکی جواں مردی وہیں ظاہر ہوتی تھی جہاں انتہائی کمزوری کا امکان ہو۔ لیکن اوپر کی شکل میں اس کو کسی طرح بھی ہمت نہ ہوتی تھی

کہ اپنے مسلمان ہمسایوں سے زبردستی بھی لڑائی مول لے اس لیے یہ خیال ترک کرتے ہوئے وہ سٹیشن کے پاس گیا اور اس کو ڈانٹ ڈپٹ بتانی شروع کر دی سٹیشن تعجب کے ساتھ اس کی گالی گلوچ کو سنتا رہا۔ اور بغیر کچھ کہے انجانی اختیار کی سٹیشن کا یہ طرزعمل دیکھ کر وہ بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔

بہرحال جس طرح بھی ہو جگ موہن کی دعوت توڑی کامیاب رہی۔

(۳)

ہری موہن یہ بے عزتی کسی طرح برداشت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی سے کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ ان کا پورا خاندان ایک مندر کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی پر بسر کرتا تھا۔ ہری موہن نے اپنے بھائی کے خلاف عدالت میں دعوا دائر کر دیا۔ اور درخواست میں یہ شکایت کی کہ اپنا بھائی جگ موہن بے دین ہو گیا ہے اور ہمارا خاندان ایک متبرک مندر کی آمدنی پر زندگی بسر کرتا ہے اس لیے ایک بے دین آدمی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ اس متبرک آمدنی کا حصے دار بنے اس سلسلے میں ہری موہن نے ضرورت سے زیادہ گواہ پیش کیے۔ معاملا چونکے مذہبی تھا۔ اس لیے تمام ہندو ہمسایوں نے اس کا ساتھ دیا۔ جگ موہن نے بھری عدالت میں اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کو خداؤں یا دیوتاؤں پر مطلق ایمان نہیں۔ دنیا کی تمام غذائیں اس کے نزدیک ایسی چیزیں تھیں جن کو ایک انسان یا جاندار ہی کھا سکتا ہے۔ وہ کبھی اس قسم کی فضولیات میں نہیں جانا چاہتا تھا کہ برہما کے جسم کے کسی

خاص حصے سے مسلمان پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے اس کو اس بات کی پروا نہ تھی کہ وہ مسلمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔

حاکم عدالت نے یہ کہتے ہوئے جگ موہن کے خلاف فیصلا صادر کیا کہ "ایک مقدس مندر کی آمدنی صرف مناسب اور جایز کاموں ہی میں صرف کی جا سکتی ہے اور چونکہ جگ موہن کو اپنی بے دینی کا اقرار ہے اس لیے ایک ملحد، مذہبی آمدنی کا حصے دار نہیں بن سکتا۔ اس لیے اس کو اپنے موروثی حصے سے محروم کیا جاتا ہے۔"

اس ناکامی کے بعد جگ موہن کے وکیلوں نے اس کو رائے دی کہ اگر وہ چاہے تو ہائی کورٹ میں اس کی اپیل ہو سکتی ہے۔ لیکن جگ موہن نے اس قسم کی لغویات میں حصا لینے سے قطعی انکار کر دیا۔

اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ ان خداؤں کو دھوکا بھی نہیں دینا چاہتا، جن پر اس کا اعتقاد نہیں۔ صرف وہی لوگ جو ان چیزوں کو تسلیم کرنے کی عقل رکھتے ہیں۔ ان کو اپنے ضمیر کے خلاف دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔ اس کے دوستوں نے دریافت کیا کہ "اب تم اپنی زندگی کس طرح بسر کرو گے" اس نے جواب دیا کہ "اگر مجھے کھانے کے لیے کوئی چیز نہ مل سکے تو میں اپنی سانس ہی نگلنے پر قناعت کروں گا۔"

اس جھگڑے کے بعد انکے خاندانی مکان کو جگ موہن اور ہری موہن کے درمیان تقسیم کرنے کے لیے ایک دیوار کھینچ دی گئی۔ ہری موہن نے دیوار کو اس اہتمام کے ساتھ تیار کرایا کہ اس کا سرا مکان کی چھت سے اس طرح مل جائے کہ دیوار کے سوراخ میں سے ہوا بھی منتقل نہ ہو سکے۔

ہری موہن کو مذہب اور خدا پر جس قدر گہرا اعتقاد تھا اس سے کہیں زیادہ اس کے بھائی جگ موہن کو ان دونوں چیزوں سے ازلی نفرت تھی۔ ہری موہن کا یہ خیال تھا کہ مذہب فطرت انسانی کا ایک لازمی جز ہے اور خدا خود اپنے مذہب کی حفاظت کرتا ہے۔ اس لیے اس کو یقین تھا کہ بھلائی کا دیوتا یعنی خدا ششی کے دل میں مذہب کا خیال پیدا کرکے اپنے سنہری جال میں خود پھانس لے گا۔ اور اس طرح ششی جگ موہن کے سراب نما جال سے نجات حاصل کرے گا لیکن ششی کے انکار پر ہری موہن کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس لیے کہ ششی نے اپنے انکاری جواب سے اس بات کا ثبوت دیا کہ اس نے ورثے میں اپنے باپ کا ضمیر ہی پایا ہے اور نہ اس کے خیالات۔ ششی نے اپنے چچا ہی کے ساتھ رہنا گوارا کیا۔ جگ موہن ششی کو اپنی حقیقی اولاد کے برابر سمجھتا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مکان کے حصے جدا ہونے کے بعد بھی ششی اپنے چچا ہی کے ساتھ رہنے لگا۔ اور کسی وقت بھی اپنے باپ کے گھر جانا گوارا نہیں کیا۔

ہری موہن اپنے بھائی کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے عوام میں یہ بات مشہور کرنا شروع کر دی کہ جگ موہن ششی کو اپنے سے اس لیے الگ نہیں کر رہا ہے کہ وہ اس کو مہمان بنا کر ہم سے کچھ فائدہ حاصل کرے۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے ہمسایوں کے سامنے رو دیتا تھا "کیا میرا بھائی یہ سمجھ سکتا ہے کہ میں اس کو فاقوں مرنے دوں گا اور وہ مجھے اس طرح بھلا برا کہے گا جو کچھ بھی ہو اب میں چند روز انتظار کروں گا اور اس بات کا منتظر رہوں گا کہ وہ اب عقل اور سمجھ سے کام

لے کر اپنی پچھلی خطاؤں پر نادم ہو ——"

ہری موہن کی یہ تمام باتیں جو وہ اپنے یار غار افراد کے سامنے کہتا تھا کسی نہ کسی طرح اس کے بھائی کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں —— جگ موہن کو خود اپنی بے وقوفی پر تعجب ہوتا تھا کہ اس نے بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے نادان اور جاہل انسان کے ساتھ یہ حرکت کر بیٹھی اور بلا وجہ معاملے کو طول دیا ——۔

"اچھا جاؤ ننتیش" اس نے مایوسانا انداز میں کہا ——

ننتیش کو کامل یقین تھا کہ ایک مرتبہ کہنے کے بعد جگ موہن کو کوئی ہستی بھی اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی اس لیے اس کو مجبوراً رخصت ہونا پڑا۔ اس نے اپنے چچا کے ساتھ اور اسی کے مکان میں پورے اٹھارا سال بسر کیے تھے۔

جب ننتیش نے اپنی کتابیں اور دوسری چیزیں گاڑی میں رکھ دیں تو گاڑی دروازے سے آگے بڑھ گئی۔ گاڑی کے حرکت میں آتے ہی جگ موہن نے نہایت زور سے دروازے کے پٹ بند کیے اور خود روتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ اس عالم بے ہوشی میں اس پر کئی گھنٹے گذر گئے شام کے وقت حسب عادت اس کا ضعیف ملازم قندیل لے کر آیا اور دروازے کو کھٹ کھٹایا۔ پے درپے کھٹ کھٹانے کے باوجود اس کو کوئی جواب نہ ملا۔ اس لیے مجبوراً ملازم کو واپس ہو جانا پڑا۔ اور اسی حالت میں جگ موہن کی رات بسر ہوئی۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس کے جاہل بھائی نے جگ موہن کے دل کو صدما پہنچایا اور محض بدنامی سے بچنے کی خاطر اس نے ننتیش

کو الگ کر دیا۔ ستیش کی جدائی جگ موہن کے لیے قیامت کا کام کر گئی۔ اور آن کی آن میں دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔

ستیش چند روز تک تو یوں ہی پھرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے طلبا کے اقامت خانے میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہنے کے لیے ایک کمرا حاصل کر لیا۔

ہری موہن ان چچا بھتیجوں کی بے ہودا حرکتوں پر اور ناخدا شناس مخلوق کے گناہوں پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا تھا کہ وہ خدا اور اس کے دین کو کس بری طرح بھول بیٹھے ہیں۔ مذہب ہری موہن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس لیے وہ ایک نرم دل انسان اور ساتھ ہی بد فطرت بھی واقع ہوا تھا۔

اس دیوار کے چنے جانے کے بعد پورندر نے اپنے مکان کے حصے میں خاندانی دیوتا کے لیے ایک نیا کمرا مخصوص کر دیا تھا اور یہ معلوم کر کے اس کو نہایت خوشی ہوتی تھی کہ صبح اور شام اس کے بھجن کی آوازیں سن کر جگ موہن کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جگ موہن مجبور تھا۔ اور پورندر کی گوناگوں شرارتوں کو نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کر رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ پہلی ہی آواز میں پورندر کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتا۔

اپنے اخراجات کی پابجائی کے لیے ستیش نے خانگی استاد کی حیثیت سے لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا۔ اور ادھر جگ موہن کا تقرر ایک ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ہو گیا۔ جگ موہن کے تقرر کے بعد ہری موہن اور پورندر نے اس چیز کو اپنا فرض بنا لیا

تھا کہ اس مدرسے میں پڑھنے والے لڑکوں کے ماں باپ سے مل کر انہیں بہکائیں کہ اپنے لڑکوں کو جگ موہن جیسے دہریے کے اثر سے بچانے کی خاطر ان کا نام خارج کرا دیں۔

(۴)

اس واقعے کے طویل عرصا بعد ایک روز ستیش جگ موہن کے پاس آیا جگ موہن اور ستیش آپس میں صاحب سلامت نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ ایک ایسی رسم ہے جو عموماً چھوٹوں بڑوں کے درمیان اس ملک میں رائج ہے۔ لیکن اس دفعا جگ موہن نے ستیش کے آتے ہی بے ساختہ پن کے ساتھ اس کو سینے سے لگا لیا اور بعد میں یہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر جگ موہن نے ستیش سے اس کی غیر متوقع آمد کی وجہ دریافت کی اس میں شک نہیں کہ اس کے آنے کی ایک خاص وجہ تھی، جو حسب ذیل ہے۔

نانی بالا نامی ایک لڑکی اپنے ماموں کے گھر میں اپنی بیوہ ماں کے ساتھ رہتی تھی جب تک اس کی ماں زندہ تھی وہ ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف سے بچی ہوئی تھی لیکن کچھ ہی عرصا پہلے اس کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے دو چچا زاد بھائی تھے۔ اور یہ دونوں پہلے درجے کے بدمعاش واقع ہوئے تھے ان میں سے ایک کے دوست نے اس کے بھائی کو بہلا پھسلا کر اس لڑکی کو لے بھاگا تھا۔ اس کے بھگا لے جانے کے کچھ ہی عرصا بعد اس شخص کو اس لڑکی کی عصمت کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو گیا اس لیے اس نے نانی بالا کو بری طرح دق کرنا شروع کیا چند ہی روز میں اس غریب کی زندگی تلخ ہو گئی۔

یہ تمام واقعات اس مکان میں واقع ہو رہے تھے جس سے ملے ہوئے مکان میں ستیش بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ اور یہ تمام حالات ستیش کو معلوم ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس کی آرزو تھی کہ اس مظلوم لڑکی کو جس طرح بھی ہو سکے اس بے رحم شخص کے پنجے سے بچائے مگر دقت یہ تھی کہ ستیش کے پاس روپیہ تھا اور نہ رہنے کے لیے اپنا ذاتی مکان۔ ان ہی مجبوریوں کے تحت وہ اپنے چچا کے پاس آیا تھا۔ وہ لڑکی حاملہ تھی، جس کے قریب ہی میں ایک بچہ پیدا ہونے والا تھا۔

جگ موہن نے جب یہ تمام قصہ سنا تو رحم سے اس کا دل بھر آیا اور غصے سے اس کی حالت بری ہو گئی۔ وہ ایک ایسا شخص نہیں تھا جو ایسے نازک موقع پر برے اور بھلے افعال کی جانچ پڑتال کرے یا ان کے نتائج پر جرح کرتا رہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے سے کہا "میں جس کمرے میں کتابیں رکھتا ہوں وہ کمرا حاضر ہے جس کو میں اس لڑکی کے لیے مخصوص کر سکتا ہوں۔"

"لیکن آپ اپنی کتابیں کیا کریں گے؟"

ستیش نے تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔ اب بہت تھوڑی کتابیں رہ گئی تھیں۔ تقرر ہونے سے پہلے جگ موہن نے کتابیں بیچ بیچ کر اپنی زندگی بسر کی تھی اس لیے اس کے زبردست کتب خانے کا کمرا بالکل خالی پڑا تھا۔

جگ موہن نے کہا "اس لڑکی کو فوراً لے آؤ۔" "وہ سیڑھیوں کے نیچے ٹھری ہوئی ہے۔ میں نے اس کو اپنے ساتھ لایا ہے۔"

یہ سنتے ہی جگ موہن دوڑتا ہوا سیڑھیوں کے نیچے گیا اور دیکھا کہ ایک لڑکی اپنے موٹہ پر ساڑی کا پلو اوڑھے ہوئے سسک سسک کر رو رہی ہے اور ساڑی میں اس بری طرح لپٹی ہوئی تھی کہ بجائے انسان کے کپڑوں کی ایک گٹھڑی کا معلوم ہو رہی تھی۔

وہاں پہنچتے ہی جگ موہن نے فوراً اس لڑکی کو اس طرح مخاطب کیا " میری ماتا آؤ میرے ساتھ اوپر چلو یہاں روتی کیوں کھڑی ہو" اس لڑکی نے جگ موہن کی آواز سن کر اپنے چہرے کو اور بھی چھپانا شروع کیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس وقت تک ستیش بھی نیچے آ گیا تھا۔ جگ موہن کوئی معمولی دل کا آدمی نہیں تھا جو بات بات پر متاثر ہو لیکن اس لڑکی کی آہ وزاری نے اس کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور اس حالت میں اس نے ستیش سے پلٹ کر کہا ـــــــ " اس لڑکی کا بوجھ جو اس وقت وہ برداشت کیے ہوئے ہے اس کی دیکھ بھال کے ذمے دار ہم ہونگے۔"

پھر اس نے لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا " ماتا دیکھو مجھ سے شرماؤ نہیں میرے مدرسے کے دوست احباب بچپن میں مجھے پاگل جگی پکارتے تھے۔ اور اس وقت بھی میں وہی دیوانا شخص ہوں ـــ" یہ کہتے ہوئے بغیر کسی قسم کی جھجک کے اس نے دونوں ہات سے لڑکی کو اٹھا لیا اس اثنا میں اس کے چہرے سے کپڑا سرک گیا۔ اس کا چہرا تازہ اور ایک معصوم نا شباب کا سراپا تھا اس کے چہرے سے کسی قسم کی کرختگی اور مکاری کا اظہار نہیں ہوتا تھا

اور اس کی دلی پاک دامنی پر کسی قسم کا بدنما دھبا نہ آنے پایا تھا اگرچہ وہ لڑکی حاملہ تھی۔ لیکن اس کے اس فعل کو ایک ایسے تنکے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو اگر کسی آٹے کے ڈھیر میں گر جائے تو وہ پورے آٹے کو کسی طرح بھی خراب نہیں کر سکتا۔ جگ موہن نانی بالا کو مکان کے بالائی حصے پر لے گیا۔ اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ”نانا دیکھو میرا مکان کس بری حالت میں پڑا ہوا ہے۔ اس مکان میں کئی دن سے جھاڑو تک نہیں ہوئی۔ ہر ایک چیز بے ترتیبی کے ساتھ پڑی ہوئی ہے لاپروائی کا یہ عالم ہے کہ میرے نہانے اور کھانے کا کوئی وقت تک مقرر نہیں۔ اب جب کہ تم میرے گھر آ گئی ہو تو تمہاری ذات سے مجھے کامل یقین ہے کہ یہاں کی ہر چیز نہایت سلیقے کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر آ جائے گی اور بہت ممکن ہے کہ اس پاگل جگی کی حالت بھی درست ہو جائے“

نانی بالا کو اس کی ماں کی زندگی میں بھی اس قسم کا احساس نہ ہونے پایا تھا کہ ایک شخص اگر چاہے تو دوسرے شخص کے ساتھ کس حد تک محبت کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کی ماں کا سلوک اس کے ساتھ جیسا کہ چاہیے تھا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ اپنی لڑکی کو صرف ایک نوجوان لڑکی کی نظر سے دیکھتی تھی جس کی نگرانی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ جگ موہن نے نانی بالا کے کام میں مدد دینے کے لیے ایک دھبڑ عورت کو ملازم رکھا۔ پہلے پہلے تو نانی بالا کچھ ڈری ہوئی تھی کہ شاید اس کی ذاتی نجاست کے خیال سے جگ موہن نانی کے ہات کی پکائی ہوئی غذا کھانے سے انکار کر دے جب یہ خیال جگ موہن پر ظاہر ہوا تو اس نے کھانا کھانے سے قطعی انکار کر دیا۔ جب تک کہ ہر ایک چیز خود نانی کے ہات کی پکائی ہوئی نہ ہو۔ جگ موہن یہ جانتا تھا کہ اس کے اس فعل کا نتیجا فریب

میں ایک بلائے بے درماں کی شکل میں نمودار ہوگا۔ نانی بھی اس چیز کو سمجھتی تھی۔ اس لیے اس کو حقیقی چین، آرام نصیب نہیں تھا۔ چنانچہ ان کے اس خواب کی تعبیر صحیح نکلی۔ اور چند ہی روز میں اس واقعے کے گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ وہ خادمہ جو نانی کی امداد کے لیے ملازم رکھی گئی تھی اس نے پہلے پہل نانی کو جگ موہن کی بیٹی تصور کیا۔ لیکن جب یہ راز اس پر بھی ظاہر ہو گیا تو اس نے ایک روز مکان میں داخل ہوتے ہی نانی کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور نہایت حقارت بھرے لہجے میں اپنا استعفا پیش کر کے چلتی بنی۔ اس کی باتیں سن کر نانی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور جگ موہن کا خیال کر کے وہ خوف سے تھرا گئی۔

جگ موہن نے نانی سے کہا۔ "میری ننھی ماتا میری زندگی کے عروج کا چاند بھرپور ہو گیا ہے۔ اس لیے اب وہ زمانا قریب ہے کہ میرے خلاف دشمن کی حرکتوں سے میرے دل کو صدمے پہنچائے جائیں۔ لیکن کچھ پروا نہیں۔ حسد اور بغض کا سمندر کتنا ہی گدلا ہو۔ میری زندگی کے بدر کامل کو دھبا نہیں لگا سکتا ______"

ہری موہن کے ڈر سے جگ موہن کی ایک چچی چیختی چلاتی ہوئی آئی اور کہنے لگی "ارے جگی، ارے جگی تو نے ہماری ننھی پلید کر دی ہے، ہماری خاندانی عزت گنوا دی اور ہمارے ننگ و ناموس کو دھبا لگا دیا تو اس گناہ کے دھبے کو اپنے گھر سے فوراً دھو دے اور خاندان کی عزت بچا" جگ موہن نے جواب دیا "تم یقینی بڑے نیک آدمی ہو۔ اور تمہارا یہ احساس واقعی مناسب ہے۔ اور تمہارے ہی لیے موزوں ہے۔ لیکن اگر میں اپنے گھر سے سب گناہوں کو نکال دوں گا تو اس غریب

گناہ گار کا کیا حشر ہو گا ــــــ" اس کے بعد ایک اور بوڑھی عورت اس کے گھر آئی اور اس طرح نصیحت کرنا شروع کیا کہ ــــــ " فاحشا کو دوا خانے بھیج دے ہری موہن اس کے تمام اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔"

"ــــــ لیکن وہ تو میری ماتا ہے۔" جگ موہن نے کہا۔

"اگر کوئی شخص اس کے اخراجات دینے کے لیے تیار ہے تو کیا یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنی ماتا کو دوا خانے بھیج دوں۔"

یہ سن کر اس بوڑھی عورت نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا اور نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کیا "ارے بابا ٹھیک ٹھیک بتا کہ آخر یہ بلا ہے کون جس کو تو اپنی ماتا کہہ رہا ہے۔" جگ موہن نے جواب دیا۔

" ایک ایسی عورت جو اپنے بطن میں ایک انسان کو پرورش کر رہی ہے اور خود اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ایک جان دار کی پیدائش کے لیے تیار ہوئی ہے میں اس دوسرے بدمعاش باپ کو اس ہونے والے بچے کا باپ ہرگز نہیں کہتا۔ اس لیے کہ اس بدنفس نے اپنی ہوس کو پورا کرنے کے بعد اس پاک دامن دیوی کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اور خود چپکے سے الگ ہو گیا ــــــ"

جب ہری موہن نے یہ تمام بات چیت سنی تو اس کا جسم بے عزتی کے خوف سے تھرا گیا یہ کس قدر بری بات تھی کہ ایک ناپاک عورت کو اس کے گھر سے ملے ہوئے حصے میں رہنے کے لیے جگہ دی گئی تھی۔ یہ ایک ایسا متبرک گھر تھا جو پشتوں سے پجاریوں اور ستریوں

کا مسکن بنا ہوا تھا اور اسی مکان میں اس خاندان کے بزرگ آباؤ اجداد نے پوجا پاٹ کی تھی یہ ایک ایسی ناقابل برداشت بے عزتی تھی جس کو ایک معمولی قسم کا مذہبی انسان بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

ہری موہن کو یہ معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ کیتش بھی اس معاملے میں حصہ لے رہا ہے۔ اور اس کا چچا اس قابل ملامت کام میں اس کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔

ہری موہن کو ان تمام باتوں کا کامل یقین ہو گیا تھا اس لیے وہ بڑے وثوق کے ساتھ ہر ایک سے یہ واقعات بیان کرتے پھر رہا تھا اس کے برخلاف جگ موہن نے ان واقعات کی تردید یا اپنی صفائی میں کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

"ہمارے لیے یعنی دہریوں کے لیے" اس نے کہا کہ "ہمارے اچھے اعمال کے بدلے میں جو جنت ہم کو مل سکتی ہے وہ اصل میں مصیبتوں کا ایک پہاڑ ہے۔"

جگ موہن کے متعلق جس قدر بھی افواہیں مشہور ہوئی تھیں وہ ان کو سن کر خفا ہونے کی بجائے خوش ہوتا تھا۔ اور زور زور سے قہقہے لگاتا تھا ہری موہن اور اس قسم کے بعض معزز لوگوں کو یہ باور کرنے میں تامل ہوتا تھا کہ جگ موہن جیسا شخص اس قسم کی بے ہودہ حرکتیں کرے گا اور ایسے مسخرے پن میں اپنا قیمتی وقت خراب کرے گا۔ بھرا اپنے بھتیجے کے ساتھ اس کا سلوک اور برتاؤ حد ادب سے کس طرح تجاوز کرے گا۔

اگرچہ پورندر بہت عرصے سے اپنے چچا کی حرکات کو ایک حد تک نظر انداز کر رہا تھا لیکن اب اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ اس

لڑکی کو جگ موہن کے گھر سے باہر نہ کر دے گا اس وقت تک اس پہ ہر قسم کا چین و آرام حرام ہے۔

جگ موہن مدرسہ جانے سے پہلے باہر کے دروازے کو قفل لگا کر جاتا تھا۔ وقفے وغیرہ میں جب کبھی اس کو موقع ملتا تو وہ نانی کی خیریت کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے مکان چلا آتا تھا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ دوپہر کے وقت جب کہ جگ موہن گھر میں موجود نہ تھا پورندر نے سیڑھی کی مدد سے دیوار چڑھی۔ اور جگ موہن کے مکان کی چھت سے ہوتا ہوا ایک دم صحن میں کود پڑا نانی جو دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کی خاطر کمرے میں لیٹی ہوئی تھی دھم سی آواز آتے ہی چونک پڑی اور اٹھ کر باہر آنا چاہتی تھی کہ پورندر سے اس کا سامنا ہو گیا۔ پورندر نے نانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اہا ـــ بیگم صاحبا تم یہاں ہو ـــ" پورندر کو دیکھتے ہی نانی کا رنگ فق ہو گیا۔ اور وہ خوف سے تھرانے لگی۔

پورندر نے بھرائی ہوئی آواز میں دریافت کیا "کیا بدمعاش نانی تو ہی ہے" یہ کہہ کر نانی کو مارنے کے لیے اس نے ہات اٹھایا ہی تھا کہ پیچھے سے جگ موہن مکان میں داخل ہوا۔ اور پورندر کا ہات پکڑ کر غصے کی حالت میں اس نے کہا ـــ "نامرد! بزدل ایک عورت پر ہات اٹھاتے تجھے کچھ شرم بھی آتی ہے؟ چل نکل میرے گھر سے اسی وقت باہر ہو ـــ"

یہ کہتے ہوئے اس نے پورندر کے ہات کو ایک زوردار جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ پورندر غصے اور خوف سے تھرا رہا تھا۔ اور طیش کی

وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں گو وہ چاہتا تھا کہ جگ موہن پر حملا کر دے لیکن چونکہ وہ فطرتاً ایک بزدل شخص واقع ہوا تھا۔ اس لیے اپنے چچا پر ہات اٹھاتے اس کی ہمت نہ پڑی۔ جگ موہن نے اس کو پھر سے ڈانٹا۔ اور کان پھاڑ آواز کے ساتھ کہا ــــ "اگر تو اسی وقت میرے گھر سے باہر نہ گیا تو میں ابھی پولیس کو بلواتا ہوں ــــ"

پورندر بغیر کچھ بولے تیارے دروانسے کی طرف پلٹ گیا مگر کچھ دور آگے بڑھ کر اس نے اپنی خوف بھری نظریں نانی پر کچھ اس بری طرح سے ڈالیں کہ اس کے دیکھتے ہی نانی پر غشی طاری ہو گئی۔ اور وہ دھم سے نیچے گر پڑی ــــ

کچھ دیر بعد جب نانی کو ہوش آیا تو جگ موہن نے پوری حقیقت حال معلوم کر لی اور تاڑ گیا کہ پورندر کے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا تھا اس وقت اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ پورندر کے تنفرا اور برے ارادوں سے ستیش بھی اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن اس نے جگ موہن سے یہ راز اس لیے بیان نہیں کیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک معمولی بات بڑے جھگڑے کی شکل اختیار کر لے۔

ایک عرصا بعد تک بھی نانی کو جب کبھی پورندر کا خیال آتا وہ خوف سے کانپ اٹھتی تھی۔ اور ہر گھڑی اس کو ڈر لگا رہتا تھا کہ نہ معلوم کس وقت اور کس رستے سے وہ جاہل شخص مکان میں گھس کر اس کا خاتما کر دے گا۔ اسی انتہائی خوف کے باعث ایک روز نانی کا حمل ساقط ہو گیا۔

ایک رات پورندر جگ موہن کے مکان میں اس وقت گھس پڑا

جب کہ نانی کمرے میں بیٹھی کچھ کام کر رہی تھی پورندر پیچھے سے جھک کر گیا اور فوراً اس کی چوٹی پکڑ لی۔ پھر اس کو لاتیں مارتا ہوا گھسیٹ کر صحن میں لے آیا۔ اور وہاں بھی اس کی خوب مرمت کی تھوڑی سی مار پیٹ ہی خوف کے مارے نانی بیہوش ہوگئی اس بزدلانہ حرکت کے بعد جب اس کی آرزو پوری ہوگئی تو پورندر دروازہ کھلا چھوڑ کر بھاگ گیا یہ وہ خوفناک بدلا تھا جس کی آگ پورندر کے دل میں بھڑک رہی تھی۔ اور اس کا یہ خیال تھا کہ ستیش نے اس لڑکی کو اپنے عیش آرام کے لیے یہاں چھپا رکھا ہے۔ اور وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس مکان میں اس لڑکی کے رکھنے سے ستیش کا یقینی یہ ارادہ ہوگا کہ ایک باعزت خاندان کے نام کو اپنی سیاہ کاریوں کی وجہ سے بٹا لگائے اس سے گویا ستیش کو ـــــ ہری موہن کے خاندان کی بے عزتی مقصود تھی اور یہ ایک ایسا ناقابل برداشت فعل تھا جس کو اس خاندان کا معمولی آدمی تک گوارا نہ کرسکتا تھا۔

یہ تمام واقعات ہری موہن کو بھی معلوم ہوگئے اور خود اس کے بیٹے پورندر نے اپنے بزدلانا کارناموں کی داستان ہری موہن سے کہہ سنائی۔ چونکہ ہری موہن خود مذہبی اثرات کی وجہ سے ایک نہایت ہی کمزور دل دماغ کا انسان واقع ہوا تھا اس لیے اس نے ان تمام لغویات کو صحیح باور کر لیا۔ اور اپنے بیٹے کی ایک حد تک تعریف بھی کی۔ اس کو یہ معلوم کرکے بڑا غصہ آیا کہ اس کے لڑکے ستیش نے ایسی ناقابل ملامت حرکت کر بیٹھی اس نے پورندر کی ہمت بڑھائی اور اس کو یقین دلایا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے مذہب کی خاطر ہے اس لیے

ہر وقت اس کو کامیابی نصیب ہو گی۔

کرسمس کا زمانا تھا۔ جگ موہن کے دن چھٹیوں میں گزر رہے تھے صبح سے شام تک اس کو فرصت ہی فرصت تھی۔ اور اکثر وقت وہ نانی بالا کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں گزار دیتا تھا۔ ایک رات جگ موہن اور نانی بالا دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جگ موہن سروالٹر اسکاٹ کے ناول کا ترجمہ نانی کو سنا رہا تھا۔ اس اثنا میں پورندر ایک دوسرے نوجوان شخص کے ساتھ آ دھمکا۔ ان دونوں پر نظر پڑتے ہی جگ موہن نے پولیس کے بلانے کی دھمکی دی جس پر نوجوان شخص نے جواب دیا۔

"میں نانی کا چچازاد بھائی ہوں اس لیے میں اس کو لے جانے آیا ہوں۔"

یہ سن کر جگ موہن اٹھا۔ اور پورندر کو ایک ایسی زوردار گردنی دی کہ وہ سیڑھیوں پر سے لڑکتا ہوا نیچے جا گرا۔ اس کے بعد اس نوجوان کی طرف پلٹا اور کہنے لگا۔

"تم ایک بدمعاش اور لچے لفنگے شخص معلوم ہوتے ہو۔ تم اپنے آپ کو اس لڑکی کا چچیرا بھائی اس لیے بتا رہے ہو کہ اس کی زندگی تباہ کر دیں نہ کہ اس کی حفاظت۔ ٹھہرو تم کو ابھی اس کا مزا چکاتا ہوں ـــــ" یہ کہتے ہوئے وہ اس نوجوان کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ نوجوان ڈر کر بھاگنے لگا۔ لیکن جانے سے پہلے اس نے پلٹ کر کہا ـــــــــ

"بخدا میں تمہارے خلاف عدالتی چارہ جوئی کیے بغیر نہ رہوں گا۔"
اس کے بھاگتے ہی پورندر بھی پلٹ کر بھاگ گیا۔ ان دونوں بدمعاشوں کے جانے کے بعد جگ موہن نانی کی طرف پلٹا اور اس کی پیٹ ٹھوک کر تشفی دینا شروع کی لیکن نانی مسلسل رو رہی تھی اور اسی حالت

میں اس کی زبان سے یہ لفظ نکل پڑے ـــــ "اسے دھرتی ماتا تو اپنا موتھ کھول اور مجھ گناہ گار کو چھپا لے"۔ اس واقعے کے بعد ہی جگ موہن نے ستیش کو بلوایا اور کہنے لگا ـــــ "میں اس مقام کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ ہم نانی کے ساتھ کسی بکھیڑے میں چل کر رہیں۔ ان بدمعاشوں کی بے ہودہ حرکتوں سے میں سخت تنگ آ گیا ہوں اور مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ ایک روز غریب نانی ان واقعات سے تنگ آ کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کر ڈالے ـــــ"

ستیش نے کہا ـــــ "مجھے یقین ہے کہ اگر ہم جہنم میں بھی جائیں تو میرا بد فطرت بھائی اس غریب لڑکی کا پیچھا نہ چھوڑے گا ـــــ"

"تب تمہارا کیا خیال ہے ـــــ" جگ موہن نے دریافت کیا۔

"نانی سے میری شادی کر دی جائے ـــــ"

"کیا نانی سے تمہاری شادی ـــــ"

"کیوں نہیں عام اصول کے تحت میری شادی نانی سے ہو سکتی ہے"

ستیش کا یہ جواب سن کر جگ موہن کا دل خوشی سے پھول گیا وہ ستیش کے قریب گیا اور اس کو سینے سے لگا لیا۔

دونوں مکانوں کے درمیان دیوار چنی جانے کے بعد سے ہری موہن اپنے بڑے بھائی سے ملنے کے لیے ایک دفعہ بھی نہیں گیا تھا لیکن جب اس کو ستیش اور نانی کی شادی کا حال معلوم ہوا تو وہ روتا پیٹتا جگ موہن کے پاس گیا اور نہایت لجاجت کے ساتھ کہنے لگا "دادا تم یہ کیا غضب ڈھا رہے ہو۔ خدا کے واسطے خاندان کی آبرو کا خیال کرو۔ ہم سب کی ناک کٹ جائے گی۔ اور ہم لوگ ذات برادری

میں کسی کو بھی سونہہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے ــــــ"

"یہ محض آپ کا خیال ہے ورنہ میں تو ایک ایسا نیک کام کر رہا ہوں جس سے تمہاری سات پشت کی سرخروئی ہو گی" جگ موہن نے کہا "نہیں دادا تم تو بڑا غضب کر رہے ہو ستیش کو تم اپنی حقیقی اولاد کے برابر سمجھو" ہری موہن نے گڑگڑاتے ہوئے کہا "کیا تم اپنی حقیقی اولاد کے ساتھ ایسا ناپاک سلوک روا رکھتے کہ فاحشہ عورت ایک باعزت خاندان کے لڑکے کے ساتھ بیاہی جائے ــــــ"

"کیوں نہیں" جگ موہن نے نہایت متانت کے ساتھ کہا "ستیش میرا حقیقی لڑکا ہے اور میں خوش ہوں کہ محض ستیش کی وجہ سے میری تمام امیدیں اور آرزوئیں بار آور ثابت ہو رہی ہیں ــــــ"

"دادا" ہری موہن نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "اب میں آپ کے مقابل ہار مانتا ہوں۔ اور میں اس پہ راضی ہوں کہ موروثی جائیداد کا آدھا حصہ حسب سابق آپ کو ملتا رہے مگر شرط یہ ہے کہ آپ اس بدلے سے باز آئیں جو اس طرح مجھ سے لینا چاہتے ہو ــــــ"

یہ سنتے ہی جگ موہن اپنی کرسی سے اچھل پڑا اور انتہائی غصے کے عالم میں کہنے لگا "کیا تم مجھے اپنی ناپاک دولت کا لالچ دے رہے ہو۔ کیا میں تمہاری نظر میں ایک کتا ہوں جس کے سامنے ہڈی پھینک کر اس کی حرص دور کرنا چاہتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک سہریہ ہوں اور تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ میں تمہارے جیسا ٹھکانہ بھی نہیں ہوں۔ میں کسی سے بدلا ہی لینا پسند کرتا ہوں اور نہ کسی کے رحم و کرم کا طالب ہوں ــــــ"

اس دانت توڑ جواب کے ملتے ہی ہری موہن اپنے بیٹے کے کمرے کی طرف لپکا اور بڑی التجاؤں کے ساتھ کہنے لگا۔ "ستیش تو یہ کیا غضب ڈھا رہا ہے کیا تجھے اپنی بربادی کا کوئی اور سامان نہیں سوجھ رہا ہے کیا تو نے اس بات کا تہیا کر لیا ہے کہ اس طرح پورے خاندان کو بے عزتی کے ناپاک گڑھے میں گرا دے ــــــ"

ستیش نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہا "اگرچہ مجھے شادی کی ایسی کوئی سخت ضرورت نہ تھی لیکن محض اپنے پورے خاندان کو بے عزتی کے گڑھے سے بچانے کے لیے میں نے اس کام کا ارادہ کیا ہے ــــــ"

یہ سن کر ہری موہن کے ہوش جاتے رہے "ارے بے وقوف کیا تجھ میں ذرا برابر بھی عقل نہیں۔ تو ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جو دنیا تمام میں بدنام ہو چکی ہے ــــــ" ہری موہن نے غصے سے کہا۔ ستیش نے جلدی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "بدنام! براہ کرم آپ اس کا ذکر نہ کریں ــــ" یہ سن کر ہری موہن نے ستیش کو بے انتہا گالیاں سنانا شروع کیں۔ اور ستیش خاموشی کے ساتھ سنتا رہا ــــــ

ہری موہن کو اس بات سے زیادہ تکلیف نہیں ہو رہی تھی کہ ستیش نانی بالا سے شادی کرنے والا ہے۔ بلکہ پورندر نے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان دونوں کی شادی ہو جائے تو وہ خودکشی کر لے گا۔ پورندر کی عورت نے جب یہ بات سنی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ "تم ایسی بے وقوفی پر کیوں کمر باندھے ہو۔ ان دونوں

کی شادی ہو جاتے ہو اور سچ پوچھو تو ہماری نجات کا یہی ایک احد ذریعہ ہو سکتا ہے بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ ان کی شادی کے معاملے میں ذرا سمجھ سے کام لے کر تم خدمات نبھاؤ ـــــ"

ان واقعات کا ستیش کے دل پر بھی گہرا اثر ہوا تھا اور وہ درپردہ اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے نانی بالا سے دور رہنا چاہیے ستیش کی ان حرکات سے جگ موہن نے پتا چلا لیا کہ ستیش نانی سے کچھ کھچا کھچا سا ہے یا ان سے ملنے میں گریز کر رہا ہے چنانچہ اس نے ایک دن ستیش سے کہا "ستیش تم جانتے ہو کہ ہم دھرتیے اپنے ارادے کے پکے ہوتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں اس کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تم نے ایک مرتبہ نانی سے شادی کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ تم جیسا شخص اپنے ارادے سے پلٹ جائے۔ میری یہ رائے ہے کہ شادی سے پہلے تم نانی سے بہت زیادہ ملتے جلتے رہو۔ اور آپس میں ایک دوسرے کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ قریب ہی میں تمہاری شادی کر دی جائے۔ کہو تمہارا اپنا کیا خیال ہے"

یہ سن کر ستیش نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اسی بنا پر جگ موہن نے ان دونوں کی باقاعدہ ملاقات اور تبادلۂ خیالات کے لیے ایک دن مقرر کیا اور ستیش کے غیاب میں اس نے نانی سے کہا "میری ننھی مانا اس روز تم کو اچھے اچھے کپڑے پہننا چاہیے" نانی نے شرم کے مارے کچھ نہ کہا۔ اور اپنی آنکھیں نیچی کر لیں ـــــ

"نہیں، نہیں" جگ موہن نے زور دیتے ہوئے کہا "شرمانے کی

کوئی ضرورت نہیں۔ سنو میری دلی خواہش ہے کہ ایک روز میں تم کو اچھا لباس پہنے ہوئے دیکھوں۔ اور یہ تمہارا فرض ہے کہ تم میری آرزو پوری کر دو ــــــــ

جگ موہن نے نانی کے لیے ایک نفیس بنارسی ساڑی خریدی تھی چنانچہ اس نے وہ ساڑی نانی کے حوالے کر دی۔ ساڑی لیتے ہوئے نانی شکریے کے طور پر جگ موہن کے قدموں پر گر پڑی۔ یہ بات جگ موہن کو ناگوار گزری۔ اس نے فوراً اپنے پاؤں کھینچ لیے اور نانی کو زمین سے اٹھاتے ہوئے کہا ــــــــ

"نانی مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے خیالات کو صحیح طور پر واضح کرنے سے قاصر رہا۔ میں اس قسم کی لغویات کو مطلق پسند نہیں کرتا۔ اگر میں تم سے عمر میں بڑا ہوں تو کیا مضائقہ تھا ــــــــ شاید تم بھول رہی ہو کہ تمہارا رتبہ مجھ سے زیادہ ہے اس لیے کہ میں تم کو ماتا کے نام سے پکارتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے نانی کی پیشانی کو بوسا دیا اور آخر میں یہ کہا "ماتا رنجیدہ نہ ہونا آج رات مجھے دعوت ہے۔ بہت ممکن ہے کہ واپسی میں دیر ہو جائے۔ کسی قسم کی فکر نہ کرنا۔ یہ سن کر نانی نے جگ موہن کے دونوں ہات پکڑ لیے۔ اور روتے ہوئے کہا۔

"بابا آج رات مجھے آپ کی عنایت درکار ہے۔ بابا آپ کی دعائیں چاہئیں۔" یہ کہنے کے بعد وہ بالکل خاموش ہو رہی ــــــــ

"ماتا" جگ موہن نے کہا "تم مجھے مجبور کر رہی ہو کہ میں پھر سے قدامت پرستی کی زنجیروں میں جکڑا جاؤں۔ سنو دعا کوئی چیز نہیں۔ دعا کے معاوضے میں میں تو کسی کو ایک پائی بھی نہ دوں گا۔ لیکن مجھے

تم سے دلی محبت ہے۔ اور تم یقین جانو کہ میری نظریں جس وقت بھی تم پر پڑتی ہیں لاتعداد دعاؤں کو لیے ہوئے ہوتی ہیں ۔۔۔۔۔"

جگ موہن نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنا ہات رکھا اور اس کے چہرے کو اوپر اٹھا کر ایک محبت بھری نظر دوڑائی لیکن نانی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا ۔۔۔۔

(۵)

رات میں جب کہ جگ موہن اپنے دوست کے گھر دعوت میں مصروف تھا ایک شخص پریشانی کے عالم میں دوڑا ہوا آیا۔ اور اس کے کان میں آہستا سے کچھ کہا۔ یہ سنتے ہی جگ موہن فوراً وہاں سے چل دیا ۔۔۔

رات گئے جب وہ گھر لوٹا ہے تو اس نے دیکھا کہ نانی اس کی دی ہوئی بنارسی ساڑی اوڑھے خاموشی کے ساتھ بستر پر لیٹی ہوئی ہے اس کے ہات میں ایک خط تھا اور نیتش اس کے بستر کے بازو سکتے کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ جگ موہن نے جاتے ہی خط لے کر پڑھنا شروع کیا

"بابا مجھے معاف کرنا۔ میں آپ کی خواہش کی تکمیل نہ کرسکی۔ آپ کی خاطر میں نے انتہائی کوشش کی کہ میں اس کو اپنے دل سے بھلا دوں۔ لیکن افسوس کہ اس خصوص میں مجھے کامیابی نہ ہوسکی۔ آپ کے قدموں پر سے بار بار نثار ہونے والی ۔۔۔۔"

گناہ گار

نانی بالا

دوسرا باب

تثلیث

دوسرا باب

ستیش

(۱)

جگ موہن دہریے کے آخری لفظ اپنے بھتیجے کے لیے یہ تھے کہ "اگر تم تجہیز و تکفین کے مراسم پر عقیدا رکھتے ہو تو یاد رکھو اپنے چچا کی موت پر ایسی فضولیات میں نہ پڑنا بلکہ یہ چیز تم اپنے باپ کے لیے اٹھا رکھنا ــــــ"

جگ موہن کی موت بھی ایک عجیب و غریب طریقے پر واقع ہوئی جس کا اندازہ ذیل کی تفصیل سے ہو گا۔

شہر کلکتہ میں جب طاعون پہلی مرتبہ پھوٹ پڑا تو غریب شہری اس مرض متعدی سے اس قدر ڈرے ہوئے نہیں تھے جس قدر کہ اس کے انسدادی عملے سے جس میں کا ہر ایک شخص اپنی پہچان کے لیے ایک خاص علامت لگائے ہوتا تھا۔ ستیش کے باپ ہری موہن کو یقین تھا کہ اس کے مسلمان ہمسائے یعنی اچھوت چمڑے والے اس بلا کے سب سے پہلے شکار بنیں گے۔ اس کے بعد اس کو اور اس کے پورے خاندان کو تباہی کے گڑھے میں ڈبو کر ان کا نام و نشان تک باقی نہ رکھیں گے۔

اپنے مکان کا تخلیا کرنے سے پہلے ہری موہن اپنے بڑے بھائی کے پاس گیا کہ اس کو بھی اس آنے والی بلا سے بچائے۔ چنانچہ جگ موہن سے اس نے کہا ——

"بھیا میں نے موضع کا ارکانا میں دریا کے قریب ایک مکان کرایے پر لیا ہے اگر تم بھی چاہو تو ...."

"بے وقوف" جگ موہن نے خفگی کے ساتھ کہا "میں ان غریب لوگوں کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں ——"۔

"وہ کون لوگ؟"

"وہی یعنی ہمارے ہم سایا چمڑے والے"

یہ سن کر ہری موہن کے دل کو بڑا صدما پہنچا۔ اور بغیر کچھ بولے وہ بڑبڑاتا ہوا چلدیا۔ اس کے بعد وہ اپنے بیٹے کے کمرے پر گیا اور اس سے صرف یہی کہا۔

"سنیش تو میرے ساتھ چل"

سنیش نے بھی اپنے چچا کی طرح سخت انکاری جواب دیا۔ اور کہا "آپ نہیں جانتے کہ اس زمانے میں مجھے بہت کچھ کام کرنا پڑے گا"

"شاید تم غسالوں کا کام انجام دینا چاہتے ہو" ہری موہن نے کہا۔

"ہاں صاحب —— اگر ضرورت پڑے تو میں یہ کام بھی انجام دوں گا"

"جی ہاں! بہت خوب! گدھے کے بچے" بے وقوف اور دہریے شاید اگر ضرورت ہو تو اپنی چوداپشت کو بٹا بھی لگانے تیار ہو جائے گا ——" یہ کہتے ہوئے حقارت بھری نظروں سے سنیش کو دیکھتے ہوئے ہری موہن واپس چلا گیا۔

ان حالات کے تحت ہری موہن اور اس کے ہم خیالوں کا یہ کہنا ایک حد تک صحیح ہے کہ اس گندی اور تاریک دنیا میں گناہوں کی تعداد اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اب اس کا پاک ہونا ممکن نہیں۔ طاعون سے بچنے کے لیے ہری موہن نے کاغذ کے بڑے بڑے تختوں پر کالی ماتا کا نام نہایت جلی حروف میں خود اپنے ہات سے لکھا اور مکان کے مختلف حصوں میں وہ تختے لگا دیے اور تبرک کئی ایک ہم سایوں کو بھی یہ تختے دیے۔
اس روداد کے بعد ہری موہن کلکتا سے چلا گیا۔ طاعون اور اس کے انسدادی عملے کا متنوع طریقے پر اس محلے میں بھی گذر ہوا۔ یہاں کے رہنے والے مرض کو عموماً اس غرض سے بھی چھپاتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ سرکاری عہدے دار انہیں زبردستی بھی دواخانے میں لے جا کر ڈال دیں اس لیے ہر بیمار شدید سے شدید مرض کو بھی خوشی سے برداشت کر لیتا تھا۔ بجاے اس کے کہ دوا اور ڈاکٹروں کا طالب ہو۔ جگ موہن اور ستیش عوام کی خدمت میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ چنانچے ایک مرتبا دواخانوں کے دورے کے بعد جگ موہن نے افسوس کے ساتھ سر ہلاتے ہوے کہا "کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ لوگ پت جھڑ کی طرح ختم ہو رہے ہیں۔ لیکن کوئی عقل مند دواخانے میں داخل ہو کر علاج کرانا پسند نہیں کرتا ـــــ"
جگ موہن نے حکومت سے یہ درخاست کی کہ اگر اس کے مکان کو ایک نیم سرکاری دواخانا بنا دیا جاے تو ممکن ہے کہ اس کے کہنے اور سمجھانے سے قریب میں رہنے والے بیمار علاج کے لیے رجوع ہو جائیں۔ اور اس طرح کثیر آدمیوں کی جانیں بچ جائیں۔ اس سلسلے میں

ستیش اور ہم میں سے چند طلبا نے جگ موہن سے وعدا کیا کہ ہم ہر طرح سے بنی نوع انسان کی خدمت کریں گے۔ ہمارے علاوہ ایک لایق ڈاکٹر نے بھی بلا معاوضا خدمت کے لیے وعدا کر لیا ہے۔ ہمارے دوا خانے میں سب سے پہلے جو بیمار داخل ہوا وہ ایک مسلمان چمڑے والا تھا۔ ایک دو روز کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اور دوسرا بد بخت شخص خد ہمارا محسن اور مربی جگ موہن تھا۔ اس کے ساتھ بھی زندگی نے وفا نہ کی۔ مرنے سے پہلے اس نے ستیش سے کہا کہ "اس وقت تک میں نے جو مذہب اختیار کر رکھا تھا اس کا صحیح حقیقی صلہ مل گیا۔ اور اب کوئی چیز قابل ملامت نہیں۔"

اتنی عمر تک ستیش نے کسی وقت بھی اپنے چچا کی قدم بوسی نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے انتقال کے بعد ستیش نے پہلی اور آخری دفعا مرحوم جگ موہن کے قدموں کو چوما۔

"ایک دہریے کے لیے اس قسم کی موت نہایت ہی موزوں ہے"

یہ تھے وہ لفظ جو ہری موہن نے ستیش کی زبانی اپنے بڑے بھائی کی موت کی خبر سن کر کہے تھے۔

"جی ہاں! صاحب" ستیش نے متانت کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہا۔

"دہریوں کے لیے ایسی موت واقعی قابل فخر ہے۔"

(۲)

جس طرح شعلے کے بجھتے ہی روشنی بلکل غایب ہو جاتی ہے یہی حال جگ موہن کے انتقال کے بعد اس کے بھتیجے ستیش کا بھی ہوا ——

چنانچہ وہ ہمارے جرگے سے نکل گیا۔

ہم اب تک یہ معلوم کرنے سے قاصر رہے کہ ستیتش کو اپنے چچا سے کتنی محبت تھی۔ جگ موہن ستیتش کا باپ اور ایک نہایت گہرا دوست معلوم ہوتا تھا۔ شاید میں یہ کہوں تو تعجب ہوگا کہ اس کی بعض وقت کی حرکتیں ایسی ہوتی تھیں جو فقط ایک لائق اولاد کے لیے ہی سزاوار ہیں۔ اس لیے کہ یہ معمر آدمی انتہائی آزادانہ خیالات کی روشنی میں اپنی ہستی کو بھی بھول جاتا تھا۔ یہ کہ دنیا اور مافیہا کی بھی اسے کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ کم عمر بھتیجے کو اپنے رنگ چچا کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ تاکہ وہ دنیا کے بھنور میں پھنس جائے۔ اس طرح ستیتش نے یہ اخلاق اور عادتیں اپنے چچا سے ورثے میں پائی تھیں۔

ہم یہ بیان کرنے سے قاصر ہیں کہ ستیتش کے دل پر اپنے عزیز چچا کی موت کا کتنا گہرا صدمہ ہوا۔ اب اس کے خیالات میں ایک نیا ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ اور "نفی" کے خیالات سے اس کو ہر وقت کشمکش رہتی تھی۔ اور وہ اس سوچ میں پڑ گیا تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس "نفی" کی واقعی کوئی حقیقت بھی ہوگی؟ اور کیا یہ یقینی ہے کہ دنیا حقیقت سے کوسوں دور ہو۔ اگر وہ وسیع نفی کا میدان واقعیت کی جھلک لیے ہوئے ہے تو پھر اس بات کا دریا ہمارے کمزور دماغوں میں وقتاً فوقتاً کیوں موجزن رہتا ہے اگر "نفی" کا میدان حقیقت پر مبنی ہوتا تو پھر کائنات کا یہ پورا انتظام جس وقت چاہے فنا بھی ہو جاتا۔

دو سال تک ستیش ان ہی خیالات میں سرگرداں رہا۔ اور ہم سے اس قدر چھپا چھپا رہتا کہ اتفاقی طور پر بھی اس کی صورت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کے برعکس ہم لوگ جگ موہن کے سکھائے ہوئے اصولوں پر اس سرگرمی اور جوش و خروش کے ساتھ عمل پیرا تھے کہ ہم نے اپنا یہ ایمان بنا رکھا تھا کہ دنیا میں لفظ "مذہب" ایک بے معنی سی چیز ہے اور جو کوئی ہم سے مذہب کے متعلق سوالات کرتا تو ہم اس کو الو بنائے بغیر نہ رہتے۔ ستیش ہمارے گروہ کا سردار یا روحِ رواں تھا لیکن جب وہ ہی نہ رہا تو پھر ہماری بڑائی بھی کرکری ہو کر رہ گئی

(۳)

ہم نے اوپر بھی کہا ہے کہ ستیش کو ہم سے جدا ہوئے دو سال ہو گئے تھے۔ ستیش کا یہ حال دیکھ کر اگرچہ ہم کو غصہ آتا تھا۔ لیکن اس کے خلاف معمولی سی حرکت بھی دیکھنا میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں یہ کہنے پر مجبور رہوں کہ اس کے متعلق خود مجھے بھی شبہ ہو چلا تھا کہ وہ ستیش جو خیالات کے اعتبار سے آسماں کی بلندیوں پر پرواز کر رہا تھا اب خیالات کی انتہائی پستی کے گڑھے میں پڑا ہوا ہے

مرحوم چچا جگ موہن نے ایک بار ایک سنیاسی کے متعلق یہ کہا تھا کہ "جس طرح صراف کھوٹے کھرے روپے کو پرکھتا ہے اسی طرح دنیا ہر شخص کو برائی اور بھلائی رنج و مصیبت اور صبر و تحمل کے ساتھ پرکھتی ہے وہ لوگ جو اس امتحان میں پورے نہیں اترتے بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے اسی اصول کے تحت سنیاسی بھی نا قابل قرار دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ دنیا کے کاروبار میں

حصہ لینے سے مجبور رہیں۔ لیکن ان بے حیاؤں کی جواں مردی پر غور تو کرو کہ وہ دھڑلے سے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ کیا مجال کہ دنیا ہم سے پرہیز کرے بلکہ خد ہم نے اپنی مرضی سے دنیا کو ٹھکرا دیا ہے۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قابل انسان محنت سے کبھی جی نہیں چراتا۔ اور بزدل و نامرد اشخاص خزاں کے پتوں کی طرح بے کار ثابت ہوتے ہیں"۔

کیا واقعی ایسا ہی ہوا تھا کہ ستیش بھی دنیا کے ناکارہ انسانوں کی فہرست میں شریک ہو گیا تھا؟ کیا اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ ایک ایسا قابل دماغ انسان بے کاری کے سمندر میں کود کر اپنے تمام جوہر تلف کر دے اور کیا یہ جگ موہن جیسے شخص کے بھتیجے کے لیے مناسب تھا کہ بے کاروں کی محفل میں خد بھی شریک ہو جائے۔ ہم اسی قسم کے خیالات میں مستغرق تھے کہ یکایک ہمیں یہ خبر ملی کہ ستیش... نہیں نہیں بلکہ ہمارا پیارا ستیش اور ہمارا سردار ستیش جس کے خیالات سے کسی زمانے میں جگ موہن جیسا عالم شخص بھی دہریت کا فیض حاصل کرتا کرتا تھا اور ہم لوگ اس کے ہر چلنے سے ایک نیا سبق سیکھتے تھے۔ آج وہی ستیش انتہائی جوش و خروش کے ساتھ لیلا نند اسامی کا چیلا بن کر کرتال کے حق دنیا پھر رہا ہے۔

جب میں ستیش سے بلکل پہلی بار ملا تھا تو اسی وقت مجھے یہ بات کھٹکی تھی کہ یہ شخص کس طرح دہریا بنا ہے! اور اب میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ لیلا نند اسامی ایک ایسے پکے دہریے کو کس طرح کٹ پتلی کی طرح نچا رہا ہے اور اسے ایک زبردست مذہب پرست بھی بنا رکھا ہے دنیا میں ہم کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے ہمارے

مخالفوں میں کس قدر ہنسی اڑے گی۔ جب وہ یہ سن پائیں گے کہ دہریے بھی اب مذہب کی طرف رجوع ہو رہے ہیں۔ ہماری جماعت کے اکثر افراد نے سینتش سے بری طرح بدلا لینے کی ٹھان لی۔ اور ان میں سے بہتوں نے کہا کہ "دیکھو آخر وہی ہوا ناجس کا ہمیں شروع ہی سے ڈر لگا ہوا تھا۔ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ لا مذہبیت کا جال دھوکے کی ٹٹی ہی ثابت ہو کر رہے گا اور آخر میں چل کر ہم سب کی رسوائی ہو گی"
اب مجھے یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھے سینتش سے کس درجا محبت تھی۔ مجھے وہ زمانا یاد ہے کہ کبھی کبھی سینتش انتہائی غصے کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو برا بھلا بھی کہتے نہ چوکتا تھا۔ اور ہر شخص اس کی باتوں کا سخت سے سخت جواب دینے کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ لیکن محبت نے مجھے اس فعل سے ہمیشا باز رکھا۔

(۴)

خیر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ لیکن مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ اب کون سا رستا اختیار کرنا چاہیے۔ متعدد منصوبوں کے بعد آخر میں نے یہ طے کیا کہ سینتش سے ایک مرتبا ملاقات کرنی چاہیے۔ چنانچے اسی خیال کے تحت میں نے لیلا نند اسامی کے آشرم کا ارادا کیا۔ اور دریا، ندی جنگل، پہاڑ اور دشوار گزار رستوں کو طے کرتا چلا گیا۔ میری راتیں قصبوں کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں بسر ہوتی تھیں اسی طرح میں نے ایک رات ایک قصبے میں بسر کی جہاں سینتش کے بعض ساتھیوں سے میری ملاقات ہو گئی ——————

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ وہ سینتش کے ساتھی ہیں میں دن کو بھی وہیں

رہ گیا اور دوپہر تک اس انتظار میں بیٹھا رہا کہ شاید سنتیش بھی یہاں آجائے اور میرا مقصد پورا ہو لیکن افسوس کہ میری امیدیں بار آور نہ ہوسکیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سنتیش آج نہ آئے گا۔ آخر کار میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ دیکھا کہ جھونپڑی میں ان کے چیلوں کا ایک بڑا مجمع بھجن سننے میں محو ہے۔ میں بھی چپکے سے جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد سنتیش آگیا جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس نے میرا نام لے کر پکارا اور دوڑتے ہوئے آکر مجھے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ میں حیران تھا کہ یہ وہی سنتیش ہے یا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔ اس لیے کہ سنتیش جیسے شخص کی ذات سے اس حرکت کی ہرگز توقع نہ ہوسکتی تھی۔ سنتیش تو ہمیشہ نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اور اگر وہ کسی سے ملتا بھی تو ایک خاص انداز سے جس میں بڑی حد تک رعونت ہوتی۔ اس کی ظاہری خاموشی سے اس کے گہرے جذبات کا صحیح اندازہ ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ محبت کے نشہ میں چور ہے۔

اس کے بعد میں نے دیکھا کہ سامنے کے کمرے میں سامی جی لیٹے ہوئے ہیں اور ان کی نظریں ہم پر جمی ہوئی ہیں۔

ہماری ملاقات کے بعد انہوں نے آواز دی ——

"سنتیش"

یہ سنتے ہی سنتیش فوراً کمرے میں چلا گیا۔

"یہ کون ہے" سامی جی نے دریافت کیا۔

باب (۲)

سنیش

"سری ولاس" یہ ایک میرا گہرا دوست ہے گروجی۔" ستیش نے خشی خشی جواب دیا۔

ستیش کے چلا جانے کے بعد سے میں نے اپنے حلقۂ احباب میں تھوڑا بہت اثر پیدا کر لیا تھا۔ اور اس کی شہرت باہر بھی ہو چکی تھی چنانچہ میری ایک انگریزی تقریر کو سن کر ایک انگریز عالم نے کہا تھا کہ "یہ شخص ایک عجیب و غریب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

خیر اس تفصیل کو جانے بھی دیجئے یہ سنا کر میں نہیں چاہتا کہ اپنے دشمنوں کی تعداد بڑھا لوں۔ میں یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ میرے دوست احباب کے علاوہ بعض معتبر حلقوں تک یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ جہاں میں ایک پکا دہریا واقع ہوا ہوں اس کے ساتھ ساتھ میری علمی ادبی، تحریری، اور تقریری قابلیت بھی قابل رشک ہے خصوصاً انگریزی زبان پر مجھے وہ قدرت حاصل ہے کہ اہل زبان بھی آفریں کی صدا بلند کرتے ہیں۔

بہر حال میں نے یہ معلوم کر لیا کہ سامی جی مجھے اپنے آشرم میں جگہ دینے کے لیے تیار ہیں اسی روز شام میں انہوں نے مجھے بلوا وہاں جانے کے بعد میں نے سامی جی کو معمولی طریقے پر آداب کیا یعنی میں نے اپنے دونوں ہاتھ آداب کے اظہار کے لیے اوپر اٹھائے لیکن میرا سر تسلیم خم نہیں ہوا۔

چونکہ ہم چچا جگ موہن کے پکے چیلے تھے۔ اس لیے اس قسم کی ظاہر داریوں پر ہماری نظر کبھی نہیں جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہماری جماعت کے ہر ایک رکن آداب یا ملاقات کے وقت قطب کی

لاٹ کی طرح بید ا ہی رہتا تھا اور سوامی جی نے اس چیز کو محسوس کیا مجھے اجازت ملنے پر اور لوگوں کی طرح میں بھی سوامی جی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کے بعد سوامی جی نے ستیش سے حقہ بھرنے کے لیے کہا چنانچہ سوامی جی کا حکم پاتے ہی ستیش حقہ بھرنے لگا۔ لیکن جب اس نے حقے کی آگ تیز کی تو اصل میں اس آگ کی چنگاریاں نہیں سلگ رہی تھیں بلکہ میرے غیور دل میں حمیت اور اخوت کے شعلے بھڑک کر اس آگ کو تیز کر رہے تھے اور یہ شرم ناک منظر دیکھنا میرا دل کسی طرح بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے میں چاہتا تھا کہ یہاں سے اٹھ کر کسی ایسے کونے میں جا بیٹھوں، جہاں سے ستیش کی ان بدتمیزیوں پر میری نظر نہ پڑ سکے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ کمرا بالکل مختصر سا تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اخلاقی دباؤ کی وجہ سے میں باہر نہیں جا سکتا تھا لیکن میرے بھڑکے ہوئے جذبات اور انتہائی جوش نے مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اور میں بے ساختہ پن کے ساتھ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

شاید سوامی جی کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں نے پریم چند رائے کا انعامی وظیفہ حاصل کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے قریب بلا کر دریافت کیا ——

"بیٹا موتی نکالنے والے کے لیے یہ بات اس کی خوش قسمتی کا باعث ہوتی ہے کہ اگر وہ سمندر کی تہ تک صحیح سالم پہنچ جائے۔ لیکن اس کو اگر وہاں کچھ دیر ٹھہرنا پڑے تو پھر یہ اس کی موت کا سبب بنے گا۔ اس لیے کہ ایک مقررہ وقفے کے بعد تازہ ہوا کے لیے

اس کو اوپر آنا ہی پڑتا ہے اگر تم دنیا میں رہنا چاہتے ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اپنی علمی معلومات کی گہرائیوں میں پہنچ کر حقیقت کی روشنی کو دیکھنے کے قابل بنو۔ تم نے اپنے انعامی وظیفے کے پھل سے حظ تو حاصل کیا ہے اب میری یہ خواہش ہے کہ تم اس کے نتیجے سے بھی مستفید ہو ں ـــــــــ"

اس عرصے میں ستیش نے ایک ادنا غلام کی طرح حقا تیار کر کے اپنے آقا کے سامنے پیش کیا اور اس کے بعد خود اس کے قدموں کے آگے نہایت انکساری کے انداز میں زمین پر بیٹھ گیا حقے کی نلی ہات میں لے کر سامی جی لیٹ گئے۔ اور کش پر کش کھینچتے ہوئے انہوں نے اپنے دونوں پیر ستیش کی طرف لانبے کر دیے۔ ستیش نے اس کو اپنی خوش قسمتی جانا اور فوراً اس بوڑھے کے پاوں دابنے لگا ستیش کا یہ رویا مجھے اس قدر ناگوار گذرا کہ اس کو میں خدا بنی بے عزتی سمجھ رہا تھا۔ اس لیے میں فوراً کمرے سے باہر ہو گیا۔ اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ سامی جی ستیش کو جس حاکمانا انداز میں حکم احکام دے رہے تھے اس سے ان کا اصل مقصد مجھ جیسے نئے شکار پر اپنا اثر جمانا تھا ـــ

مختصر یہ کہ سامی جی کے آرام کا طریقہ بھی عجیب وغریب تھا کہ کئی آدمیوں کو تکلیف پہنچا کر خود ایک شخص آرام سے میٹھی نیند کے مزے اڑاتا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ بھیک کی آمدنی سے کئی ایک نکمے اور بھکاری مفت میں پلتے تھے ـــــ جنہیں صبح اور شام سامی جی کے گھر سے کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ صبح کے بھجن کے علاوہ شام میں پانچ بجے سے کرتان کا ورد شروع ہوتا تھا۔ جس کا سلسلہ رات کے دس بجے تک

جاری رہتا۔ آخر کار ایک روز ستیش سے تنہائی میں میری ملاقات ہو گئی اس لیے موقع پا کر میں نے اس سے کہا ــــــــ

میرے پرانے ساتھی سنو! تم آزادی کی فضا میں پھلے پھولے ہو تم سے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نری غلامی کی حالت میں زندگی بسر کر سکو اگرچہ چچا جگ موہن اس وقت موجود نہیں ہیں لیکن ان کی روح ہمارے حساس دلوں کے لیے ہدایت کی شمع کی طرح رہبری کر رہی ہے۔ شاید کچھ تو محبت کی وجہ سے اور غالباً اختصار کے باعث ستیش مجھے "سری" کے نام سے پکارتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس وقت بھی مجھے اسی نام سے مخاطب کیا۔

"سری" ستیش نے کہا "جب تک ہمارے چچا زندہ تھے انہوں نے زندگی کے میدان میں مجھے ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی اور یہ ایسی آزادی تھی جو ایک بچہ کھیل کے میدان میں بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اور ان کی موت کی وجہ سے اب وہ آزادی جاتی رہی مگر اب جنہوں نے اس جذباتی اور کیفیاتی دنیا میں حقیقی زندگی کے سوچنے اور سمجھنے کے لیے آزادی دے رکھی ہے وہ ایسی آزادی ہے جب کھیل کے میدان بچہ اپنی ماں کی گود میں آکر حاصل کرتا ہے زندگی کے دن کی آزادی کے تو میں نے مزے اڑائے ہیں اور اب اسی قسم کی آزادی کی شام کا لطف بھی اٹھانا ہمارے لیے ضروری ہے اور تم یہ یاد رکھو کہ یہ دونوں تحفے ہمارے محسن چچا ہی کے طفیل ہمیں ملے ہیں"۔

تم جو چاہو کہو۔ میں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ چچا جگ موہن نے

تو کبھی حقا بھرنے یا پاؤں دبانے کی تعلیم ہمیں نہیں دی تھی۔ اور تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ ان کی حقیقی آزادی کی تعلیم کا مرقع نہیں ہے جس پر تم عمل پیرا ہو ـــــ

"ہاں" سنتیش نے کہا "وہ آزادی تو تھی اور چچا نے ہمیں بڑی حد تک آزادی دے رکھی تھی۔ لیکن ان کی آزادی کی مثال ایک ایسے آزاد شخص کی سی تھی جو سمندر کے کنارے ہو۔ اور میری موجودہ آزادی کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جو متلاطم سمندر میں آزادی کے ساتھ ہاتھ پاؤں مار رہا ہو۔ اس ایک معمولی خیال سے ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ترقی کے لیے انسان کا ایک محدود دائرے کے اندر رہ کر آزاد رہنا مناسب ہے اسی نظریے کے تحت میرے اس گرو نے مجھے اپنی خدمات کی قید و بند میں رکھا ہے اور ان کی یہ خدمتیں میں سمجھتا ہوں کہ میری نجات کا باعث بنیں گی ـــــ"

"تم جو بھی کہہ رہے ہو اس قدر برا نہیں ہے" میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا "لیکن تمہارے گرو جی کا جو طرز عمل ہے یعنی بلا بولے کسی شریف شخص کے آگے پاؤں پھیلا دینا یا یہ کہ حاکمانہ انداز میں حقا بھرنے یا اسی قسم کے ذلیل کام کرنے کا حکم دینا وغیرہ کوئی غیور آدمی تو گوارا نہیں کر سکتا ـــــ"

"انہیں اختیار ہے کہ اور وہ جو کچھ بھی کریں انہیں زیب دیتا ہے" سنتیش نے اطمینان کے ساتھ کہا "اس لیے کہ انہیں اس قسم کی خدمتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ خدمتیں ان کی ذات کے لیے ہوتیں تو وہ خد ایسا کہتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو جاتے۔ لیکن حقیقت

یہ ہے کہ وہ جو بھی کہتے ہیں اس میں خدہماری بھلائی چھپی ہوئی ہے۔"
سنتیش کی یہ باتیں سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ جس ماحول میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اس کے خاص دوست احباب اور خصوصاً میرے لیے کسی طرح مناسب حال نہیں وہ شخص جس کو سنتیش اپنی ناصحانہ بات چیت سے رام کرنا چاہ رہا تھا۔ اصل میں سری ولاس کی واحد ذات نہ تھی بلکہ وہ بنی نوع انسان کا ایک حقیقی نمائندا تھا۔ یہ گویا میرا اپنا خیال تھا۔ اور ایسے خیالات شراب کے خمار کے مثل ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے دماغ میں پہنچتے ہی ہر شخص متاثر ہو کر رونے لگتا ہے۔ چنانچہ دوسرے اشخاص کی طرح ان خیالات نے مجھ پر بھی جادو کا سا اثر کیا۔ میں پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ سب ساتھی الگ ہو چکے تھے۔ میری امید فقط سنتیش کی ذات سے وابستہ تھی لیکن اس کا رنگ پورے طور پر بدل چکا تھا۔ اس دنیا میں میری تنہا کوشش کی مثال ایک ایسے تنکے کی سی تھی۔ جو طوفانی موجوں سے مقابلا کر رہا ہو۔ اس وقت تک بھی میرے اور سنتیش کے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سنتیش اپنے ساتھ ایک دنیا لیے ہوئے تھا۔ اور میں اپنے تئیں بلکل اکیلا۔ اس لیے میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ سنتیش کو سمجھانا بجھانا محض فضول ہے۔ اور ساتھ ہی میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ سنتیش کو بلکل ہی اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ مجبور ہو کر میں نے بھی اس کے رنگ میں رنگ ملانا شروع کر دیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قصبے قصبے اور گاؤں گاؤں دوسروں کے ساتھ میں بھی کرتال کے بھجن گاتا ہوا مارا مارا

پھرنے لگا۔۔۔

مذہبی تاثرات کا رفتار رفتار مجھ پر بھی بہت گہرا اثر ہو گیا۔ اور میں نے وہ تمام ناگوار چیزیں جن کو کسی زمانے میں حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا، نہایت خوشی سے قبول کرنا شروع کر دیں۔ میں اس قدر نرم دل واقع ہو گیا تھا کہ کسی معمولی سی بات پر رو دینا میرے لیے بہت آسان تھا۔ حقا بھرنے اور پاؤں دبانے میں میں ستیش سے بھی بازی لے گیا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں باتیں کرنے بیٹھے تھے کہ یکایک ستیش پر الہام کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اس نے حقیقت کی روشنی میں وہ وہ باتیں کہنا شروع کیں جو شاید ایک زبردست عالم فاضل سے بھی ممکن نہ تھیں۔ اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ کیفیت سوائے خدا کے کسی اور کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔

(۵)

اس قسم کے دو تعلیم یافتہ دہریوں کو اپنے قبضے میں کر کے لیلانند سامی نے اپنی شہرت کو چار چاند لگا لیے۔ ان کی شہرت کا یہ عالم ہو گیا کہ کلکتا کے مریدوں نے انھیں بار بار مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ شہر آکر رہ جائیں۔

مریدوں کے زیادہ اصرار پر سامی جی کلکتا جانے پر مجبور ہو گئے شیو اتوش لیلانند اسامی کا ایک زبردست معتقد بھی تھا۔ سامی جی جب کبھی کلکتا جاتے تو اس کے گھر پر ٹھہرتے تھے۔ اس شخص کو دلی مسرت ہوتی تھی۔ جب کبھی اس کا مرشد اپنے تمام مریدوں کے ساتھ آکر اپنے مبارک قدموں سے ایک معمولی غلام کی اس طرح

عزت افزائی کرتا ـــــ شیواتوش نے مرنے سے کچھ دن پہلے اپنی پوری جائیداد سامی جی کے نام وصیت کر دی تھی۔ اور ایک معمولی حصا اپنی لاولد عورت کے نام اس شرط پر لکھ چھوڑا تھا کہ اس کے انتقال کے بعد وہ جائیداد بھی سامی جی کے قبضے میں چلی جائے۔ زندگی میں اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ اس کا مکان ایسے بزرگ لوگوں کا مرکز بن جائے یہ وہی مکان تھا جس میں سامی جی اور ہم سب چیلے جا کر بس گئے ـــــ

ہماری دیہاتی زندگی میں خصوصاً مجھ پر مذہبیات کا اس قدر اثر ہوا تھا کہ اکثر اوقات میں اپنے آپ کو کھو دیتا تھا۔ لیکن شہر میں آنے کے بعد یہاں کی فضا نے فوراً اپنا اثر دکھایا اور ہم سب کے طبائع میں ایک قسم کا ہلکا سا تغیر ہونے لگا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اپنے گہرے مذہبی رنگ کو قایم رکھوں۔ لیکن اس کی پابندی ناممکن سی ہو گئی۔ جذبات کی تعجب خیز دنیا میں ہم ایک عجیب و غریب زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس دنیا کے اسٹیج پر الہیات کے پر اثر ڈرامے کو عملی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کا خلاصا اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہماری مثال ایک عاشق کی سی تھی، جس کو عشق کا پروانا کہنا چاہیے۔ اور ہمارا معشوق ایک ایسی شمع تھی جس کے جلوے [illegible] منور کرتے رہتے ہیں۔ اس عشق [illegible]

ہمارے [illegible]

ایک [illegible]

ہوتا ہے اس کا لطف اور رات کی خاموشی میں انسان کو جو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے اس کا چین آرام اور اسی قسم کے متعدد مواقع ہم کو قدرت اور اس کی کارفرمائیوں پر غور کرنے کا موقع دیتے تھے۔ ایسی آزاد فضا میں ہمارا مطمح نظر صرف یہی تھا کہ جس طرح بھی ہو مالک حقیقی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن کلکتا آنے کے بعد ہمارے حالات بلکل ہی بدل گئے۔ اور ہم مذہب کی طرف جس قدر رجوع ہونے کی کوشش کرتے تھے اسی قدر زیادا دنیا ہم کو اپنی طرف کھینچتی تھی ———

تاہم یہ وہ کلکتا نہیں تھا جس کی محدود چار دیواریوں میں رہ کر کسی زمانے میں ہم نے اپنی طالب علمانا زندگی رات دن کتابیں رٹنے میں بسر کی تھی۔ اور اسی مقام پر ہم نے ساتھیوں سے کالج کی حدود میں ملکی حالات پر بحث کی تھی اور جہاں ہم نے بحیثیت رضاکار قومی جلسوں میں بڑے بڑے کام انجام دیے تھے اور اسی شہر میں ہم نے چیاجگ موہن کی اطاعت قبول کی تھی ۔۔ اور اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ ہم کسی فرقے یا جماعت کی غلامی کی جکڑبندیوں سے اپنے آپ کو ہمیشا آزاد رکھیں گے۔ ہاں! یہ وہی کلکتا تھا جہاں ہم نے اپنے عالم شباب میں وہ وہ کام کر دکھائے تھے کہ جس کی زمانا نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ پھر اب کیا وجہ ہے کہ ہم اس قابل فخر خطے پر رہ کر ایسی منکسر مزاجی کے ساتھ فقیرانا زندگی بسر کریں۔ فاقوں مریں۔ اور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی بجائے خد مصیبت کے بھنور میں پھنسے رہیں۔ کیا ہوے وہ ہمارے

عزت افزائی کرتا — شیوا توش نے مرنے سے کچھ دن پہلے اپنی پوری جائیداد سامی جی کے نام وصیت کر دی تھی۔ اور ایک معمولی حصہ اپنی لاولد عورت کے نام اس شرط پر لکھ چھوڑا تھا کہ اس کے انتقال کے بعد وہ جائیداد بھی سامی جی کے قبضے میں چلی جائے۔ زندگی میں اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ اس کا مکان ایسے بزرگ لوگوں کا مرکز بن جائے یہ وہی مکان تھا جس میں سامی جی اور ہم سب چیلے جا کر بس گئے —

ہماری دیہاتی زندگی میں خصوصاً مجھ پر مذہبیات کا اس قدر اثر ہوا تھا کہ اکثر اوقات میں اپنے آپ کو کھو دیتا تھا۔ لیکن شہر میں آنے کے بعد یہاں کی فضا نے فوراً اپنا اثر دکھایا اور ہم سب کے طبائع میں ایک قسم کا ہلکا سا تغیر ہونے لگا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اپنے گہرے مذہبی رنگ کو قائم رکھوں۔ لیکن اس کی پابندی ناممکن سی ہو گئی۔ جذبات کی تعجب خیز دنیا میں ہم ایک عجیب و غریب زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس دنیا کے اسٹیج پر الہیات کے پر اثر ڈرامے کو عملی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہماری مثال ایک عاشق کی سی تھی، جس کو عشق کا پروانا کہنا چاہیے۔ اور ہمارا معشوق ایک ایسی شمع تھی جس کے جلوے دنیا کے ہر کونے کو منور کرتے رہتے ہیں۔ اس عشق حقیقی کے ساتھ قدرت کے پر فضا مناظر مثلاً ہرے ہرے کھیت سایا دار درختوں کے جھنڈ دوپہر کے وقت ایک تھکے ماندے انسان کو کسی فرحت بخش باغ میں جو آرام نصیب

ہوتا ہے اس کا لطف اور رات کی خاموشی میں انسان کو جو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے اس کا چین آرام اور اسی قسم کے متعدد مواقع ہم کو قدرت اور اس کی کارفرمائیوں پر غور کرنے کا موقع دیتے تھے۔ ایسی آزاد فضا میں ہمارا مطمح نظر صرف یہی تھا کہ جس طرح بھی ہو مالک حقیقی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن کلکتہ آنے کے بعد ہمارے حالات بلکل ہی بدل گئے۔ اور ہم مذہب کی طرف جس قدر رجوع ہونے کی کوشش کرتے تھے اسی قدر زیادہ دنیا ہم کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔

تاہم یہ وہ کلکتہ نہیں تھا جس کی محدود چار دیواریوں میں رہ کر کسی زمانے میں ہم نے اپنی طالب علمانہ زندگی رات دن کتابیں رٹنے میں بسر کی تھی۔ اور اسی مقام پر ہم نے ساتھیوں سے کالج کی حدود میں ملکی حالات پر بحث کی تھی اور جہاں ہم نے بحیثیت رضاکار قومی جلسوں میں بڑے بڑے کام انجام دیے تھے اور اسی شہر میں ہم نے چچا جگ موہن کی اطاعت قبول کی تھی۔۔ اور اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا کہ ہم کسی فرقے یا جماعت کی غلامی کی جکڑ بندیوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ آزاد رکھیں گے۔ ہاں! یہ وہی کلکتہ تھا جہاں ہم نے اپنے عالم شباب میں وہ وہ کام کر دکھائے تھے کہ جس کی زمانہ نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ پھر اب کیا وجہ ہے کہ ہم اس قابل فخر خطے پر رہ کر ایسی منکسر مزاجی کے ساتھ فقیرانہ زندگی بسر کریں۔ فاقوں مریں۔ اور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی بجائے خود مصیبت کے بھنور میں پھنسے رہیں۔ کیا ہوئے وہ ہمارے

جذبات، اور کہاں ہے وہ ہماری حمیت کہ کسی کی ذرا سی بات بھی سننا ہمیں گوارا نہیں ہوتا تھا۔

ان خیالات کے پیدا ہوتے ہی میں نے اپنی زندگی کو پلٹا دینے کی ٹھان لی۔ لیکن ہر خیال پر میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ اور مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک نہایت ہی کمزور اور بزدل شخص واقع ہوا ہوں اور میں خدا اپنے ارادوں پر قائم نہیں تھا۔ مجھ میں اتنی طاقت باقی نہیں رہی تھی کہ اپنے مقصد اور خیال کی طرف پہنچنے کی کوشش کر سکوں ان ہی حالات میں جب میں ستیش کی طرف اس خیال سے مخاطب ہوا کہ شاید اس پر بھی میرے جیسے جذبات طاری ہوئے ہوں اور اس کے خیالات نے بھی کچھ پلٹا کھایا ہو۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ ستیش ٹس سے مس نہیں ہوا۔ اور اس کی نظر میں کلکتہ کا نقشہ ہی گویا بدل گیا ہے۔ ستیش جو الہیات کی دنیا میں زندگی بسر کر رہا تھا اس کے اس ماحول میں یہ شہری زندگی سراب سے زیادہ حقیقت نہ رکھتی تھی

(۶)

ہم دونوں دوست شیوا توش کے مکان میں گروجی ہی کے ساتھ رہنے لگے۔ چند روز میں ہمارا اثر اس قدر بڑھ گیا کہ ہم دونوں خاص چیلے شمار ہونے لگے۔ اور گروجی کی نظر عنایت بھی ہم پر وقتاً فوقتاً ہونے لگی۔ ہم اپنے گرو اور اپنے ساتھی چیلوں سے دن رات مذہبی بحث مباحثے میں وقت گذارتے۔ اور خصوصاً جذباتی دنیا کے متعلق خوب گرما گرم بحثیں ہوتیں۔ جب ہماری بحث انتہائی عروج پر پہنچ جاتی تو ایسے وقت میں اندرونی کمرے سے ایک عورت کی

ہنسی کی آواز ہماری بحث کے سلسلے کو توڑ دیتی اور بعض وقت اسی "آشنائیں" بامی " کی ایک زوردار آواز سنائی دیتی۔ شاید یہ کسی خادما کا نام تھا۔ یہ تمام چیزیں ہمارے خیالات میں مخل ہونے کے لیے بالکل اہمین کی تھیں لیکن میرے لیے خصوصاً یہ آواز ایک خشک زمین پر بارش کی سی رحمت کا اثر رکھتی تھی۔ پھول کی پنکھڑیوں کی طرح زندگی کے پریشان خیالات دوسری دنیا سے میرے دماغ میں گزرتے تو مجھے ایک دم انسان کے مقصد حیات کا خیال پیدا ہوتا اور میں یہ سمجھنے لگتا کہ اس مقصد حیات کی کنجیوں کا جھیلا اس عورت کی ساڑی سے بندھا ہوا ہے۔ اور اس مکان سے زندگی کی خوش آیند آوازیں سنائی دیتی ہیں ادھر باورچی خانے سے لذیذ غذاوں کی خشبو اور اس قسم کی بعض چیزیں میرے دل دماغ کو پریشان کیے دیتی تھیں۔ میں پھر سے یہ سمجھنے لگا تھا کہ ہمارا مقصد حیات بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور ہماری جنت بھی اسی دنیا میں موجود ہے اس بیوا کا نام "دمنی" تھا۔ ہم اس کو کبھی کبھی دروازے کے کھلتے یا بند ہوتے اور پردے کے گرتے یا اٹھتے وقت دیکھ لیتے تھے۔ گروجی کے معاملات میں ہمارا دخل اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ہمارے مشورے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے اس لیے ہم دونوں کا ان کے ساتھ ہر وقت رہنا ضروری تھا۔ اسی چوبیس گھنٹے کی حاضری کا سبب تھا کہ ہمارے اور دمنی کے درمیان سے پردے کی دیوار ڈھادی گئی ——

دمنی ایک ایسی بجلی تھی جو ماہ جولائی کے گھنے بادلوں میں بعض بعض وقت چمکتی ہے اور جوانی کے نشا میں ہر وقت چور رہتی ہو

اور ان کے چہرے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ باوجود بیوگی کے معصومیت کے آثار نمایاں ہیں سنتیش نے اپنی ڈائری میں اس کے متعلق ذیل کے الفاظ لکھے تھے۔

"ایک حیثیت سے میں نے نانی بالا کو ایک خاص عورت پایا ہے اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے دنیا کے تمام گناہوں کا بوجھ بلا وجہ بھی اپنے سر لے رکھا تھا۔ اور وہ دوسروں کی خاطر اپنا نقصان بھی برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی لیکن دمنی میں میں دوسری خصوصیت پاتا ہوں۔ اس کی شخصیت میں زندگی کا حقیقی مرقع نمایاں ہے۔ اور اس کے چال چلن میں قابل تعریف خوبیاں موجود ہیں۔ وہ ایک ایسی عورت ہے جس کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

اس لحاظ سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ دمنی کی زندگی کے پچھلے حالات پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

جس وقت دمنی کے باپ کے گھر میں دولت کا دریا بہہ رہا تھا اور سن کی تجارت انتہائی عروج پر تھی اس وقت شیو توش سے دمنی کی شادی کر دی گئی تھی۔ شادی سے پہلے تک شیو اتوش کی قسمت کا ستارہ پورے طور پر چمکنے نہ پایا تھا۔ لیکن جب دمنی سے اس کی شادی ہو گئی تو اس کی سوئی ہوئی تقدیر جاگ اٹھی اس کے سسر نے اپنے داماد کو کلکتہ میں مکان کے علاوہ ایک بھاری رقم بھی عطا کی تھی۔ اس کے علاوہ جواہرات زیور وغیرہ اور فرنیچر تو ضرورت سے زیادہ دیا تھا۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد انندا نے اپنے داماد کو شریک کار بنانا چاہا لیکن بد قسمتی سے شیوا توش کو دنیا کے معاملات سے مطلق دل چسپی نہ تھی۔ ایک مرتبہ کسی منجم نے اس کے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی کہ اس کی تقدیر کے دو ستارے جب آپس میں ٹکرا جائیں گے تو زندگی ہی میں اس کی روح کو پاکی نصیب ہو گی۔ اس دن سے وہ محض اسی خیال میں رہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو اس کی روح گناہوں سے نجات حاصل کرے۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جس کی وجہ سے شیوا توش کو دنیا کے معاملات اور مال و متاع سے کسی قسم کی دل چسپی نہ تھی۔ اور یہ خیال اس کو اس وقت تک ستاتا رہا جب تک کہ وہ لیلا نند اسامی کا چیلا نہ بن گیا۔

کچھ عرصہ بعد انند ا کے معاملات تلے اس بری طرح پلٹا کھایا کہ اس کی ساری تجارت خاک میں مل گئی۔ اور اس ضعیف شخص پر مصیبت اور افلاس کے پہاڑ ٹوٹ پڑے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کھانے کو کھانا اور پہننے کو کپڑا تک میسر نہ ہوتا تھا۔

ایک وقت کا ذکر ہے کہ شیوا توش نے اپنی بیوی سے کہا "ہمارے گرو جی تشریف لائے ہیں اور تم سے کچھ نصیحت کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان کی خواہش ہے کہ تم ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔"

"میں اب نہیں آسکتی۔" دمنی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے۔" "وہ کیا کہا وقت نہیں ہے" یہ کہتے ہوئے شیوا توش دمنی کے قریب گیا اور کیا دیکھتا ہے کہ وہ تجوری میں سے اپنا زیور نکال کر صاف کر رہی بیٹھی ہے۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو؟" شیوا توش نے دمنی سے کہا۔ "میں اپنے زیور صاف کر رہی ہوں!" دمنی نے کہا۔ گویا دمنی کی کم ظرفی کا باعث اس کا زیور تھا۔ دوسرے روز جب دمنی نے پھر سے تجوری کھولی تو یہ دیکھ کر وہ حیران سی رہ گئی کہ زیورات کا صندوق غائب ہے۔ "میرے زیورات کا صندوق کہاں ہے؟" اس نے پلٹتے ہوئے سخت لہجے میں اپنے شوہر سے دریافت کیا۔ "کیوں بھول گئیں تم ہی نے تو گروجی کو تحفتہً دیدیا ہے کیا تمہیں ان کی غایبانا آواز سنائی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ ان کی آواز میں اثر ہے۔ جو ہر صاحب دل انسان پر اپنا کام کر جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی مہربانی سے تمہیں دولت کے خطرناک گڑھے سے بچانے کی کوشش کی ہے" یہ سن کر دمنی کا چہرہ غصے سے شعلے کی طرح تمتمانے لگا۔ اور اس نے انتہائی جوش کے ساتھ کہا "میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔ لاؤ میرے زیورات مجھے دیدو۔"

"تم ان زیورات کو لے کر کیا کرو گی؟" "تمہیں اس سے کوئی بحث نہیں وہ میرے باپ کی ملک ہیں۔ تمہارے تو نہیں!" دمنی نے غصے سے کہا۔

"وہ ایک بہتر شخص کے ہاتھ میں پہنچ گئے ہیں!" شیوا توش نے جواب دیا۔ "دنیا کے معاملات میں صرف ہونے کی بجائے دینی امور میں خرچ ہوں گے!" شوہر کی یہ گفتگو سن کر دمنی کو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ اور اس طرح اس پر بھی مذہبی اثر کا جادو چل گیا۔

ایک طرف تو یہ عالم تھا کہ دمنی کے چھوٹے چھوٹے بھائی اور ضعیف ماں باپ ٹکڑے ٹکڑے کو ترس رہے تھے۔ اور دوسری

طرف یہ حالت تھی کہ دمنی گروجی اور ان کے پاس ساٹ چیلوں کو اچھی اچھی غذائیں خدا اپنے ہات سے پکا کر کھلاتی تھی۔ دمنی ان کی جو بھی خدمت انجام دیتی تھی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ شوہر کے جبر و تشدد کی وجہ سے اس کا نتیجا یہ تھا کہ ہر اچھی چیز کو وہ عمداً بگاڑنے کی کوشش کرتی تھی کبھی سالن سے نمک غایب کر دیا تو کبھی میٹھے کو کھارا کر دیا۔ اس کی ان حرکتوں سے شیوا توش کو روحی صدما پہنچا تھا شاید انہیں مسلسل صدموں کے باعث کچھ عرصا بعد شیوا توش مر گیا مرنے سے پہلے اس نے دمنی کو یہ سزا دی کہ اس کو اور اپنی تمام جائیداد پورے طور پر گروجی کے قبضے میں دیدی۔

(۷)

مرحوم شیوا توش کا مکان مستقل طور پر ایک دھرم سالا بن گیا تھا مختلف مقامات سے لوگ گروجی کی قدم بوسی کے لیے آتے اور کئی کئی دن تک اس سرا ے میں قیام کرتے تھے۔ کام کی کثرت کے باوجود دمنی اس کی پروا نہیں کرتی تھی کہ ہر وقت گروجی کی نظروں کے سامنے رہے اور نکھلے ماندے سافروں کی خدمت انجام دے اگر کبھی گروجی خاص محبت کے ساتھ اس کو بلانا چاہتے تو وہ سر کے درد کا بہانا کر کے ٹال دیتی اور کئی کئی دن تک گروجی کی نظروں سے غایب رہتی تھی۔ جب کبھی گروجی اس کی عدم توجہی کی شکایت کرتے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ گھر میں موجود نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ عذر جھوٹ پر مبنی تھا۔ اور یہ اس لیے کہ وہ گروجی سے تنہی کے ساتھ پیش آنا نہیں چاہتی تھی۔

گرو جی کے مریدوں میں بہت سی عورتیں بھی تھیں۔ انہیں دمنی کا رویہ کچھ ٹھیک سا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ان کو پہلی شکایت یہ تھی کہ دمنی ایک بیوہ عورت ہے۔ مگر اس کا لباس اس کی بیوگی ظاہر نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ وہ گرو جی کے پند و نصایح اور عقل مندی کی باتوں پر دھیان نہ دیتی تھی اور آخری چیز یہ تھی کہ گرو جی کے ساتھ اس کا برتاؤ عاجزانہ اور مودبانہ نہیں تھا ——

"یہ ایک عجیب قسم کی عورت ہے" بعض بعض وقت وہ عورتیں کہتیں کہ "ہم نے یوں تو بہت سی نوجوان بیوائیں دیکھی ہیں لیکن ایسی غصیلی اور ڈھیٹ عورت ہرگز دیکھنے میں نہیں آئی"

ان جھگڑوں کو سن کر سامی جی مسکراتے اور یہ فرماتے کہ "بھگوان کو دوہری خوشی حاصل ہوتی ہے اگر اس سے مقابلہ کرنے والا بہادر ہو جب دمنی پر وقت آئے گا تو خود اپنی شکست کو محسوس کر لے گی۔ اور اس وقت اس کا مطیع و فرماں بردار ہونا یقینی ہے"

گرو جی بڑی مبالغہ آمیزی کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ وہ دمنی کے ناقابل برداشت رویے کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کر رہے ہیں۔ یہ باتیں سن کر دمنی کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے کہ وہ ان امور کو محض مکاری کا جامہ سمجھتی تھی۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ دمنی اپنے کسی ہمسایہ سے بات چیت کرتے وقت قہقہے لگا کر ہنس رہی تھی۔ اور یہ آواز گرو جی کے کانوں تک پہنچ گئی۔ گرو جی کو سخت ناگوار گزرا کہ شیو توش جیسے مذہبی آدمی کی بیوہ شرم و حیا کو بھول گئی ہے اس کے باوجود انہوں نے دمنی کو کچھ برا بھلا نہیں کہا بلکے

یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ وہ وقت قریب ہے کہ جب رمنی کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے گا۔
جس وقت ہم شیواتوش کے گھر آئے ہیں اس وقت رمنی کی حالت اور اس کا رویہ قابلِ اعتراض تھا۔ رمنی کی ان آزادخیالیوں کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کے شوہر نے جو بھی دولت اور جائیداد دی تھی اس سے چھین کر گروجی کے قبضے میں کر دی تھی۔ رمنی کے چال چلن کا علم مجھکو ہو چکا تھا لیکن میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس موقع پر ان واقعات کا اعادہ کیا جائے۔ بہر حال یہ سمجھ لیجے کہ اس کے تمام پچھلے کارنامے ناقابلِ بیان ہیں۔
یہاں سے اس کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے اس کے باغیانہ خیالات عجز وانکساری میں تبدیل ہو کر اس کے چہرے پر شرم و حجاب کے آثار پیدا کر دیتے تھے اس تبدیلی کے بعد یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح رمنی کا چہرا شبنم کے قطروں سے دھل گیا ہے۔ اب رمنی گروجی اور ان کے چیلوں کی دل وجان سے خدمت کرنے لگی، اور ہمیشہ ان کی دعاوں کی آرزو مند رہتی تھی۔
رمنی کے چہرے پر شرم و حیا کے آثار نے ایک جادو کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اور رمنی ستیش کو ایک حور صفت عورت معلوم ہو رہی تھی۔ مگر میرا یہ خیال ہے کہ ستیش نے رمنی کے جانچنے میں ذرا سی غلطی کی۔ اس لیے کہ قابلِ تعریف چیز رمنی کی صورت نہیں تھی بلکہ اس کی سیرت تھی۔
ستیش کے کمرے میں سامی جی کی ایک تصویر لگی ہوئی تھی جس میں سامی جی عبادت کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ تصویر نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ستیش نے یہ سمجھا کہ شاید بلی نے اس کو گرا دیا ہو لیکن بعد میں اس قسم کی متعدد شرارتیں رفتہ رفتہ ظہور میں آنے لگیں۔ جو ایک بلی کی طاقت سے باہر تھیں۔ اور یہ ایسے واقعات تھے جیسے بجلی کے گرنے سے بعض وقت غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ ان واقعات کے متعلق دوسروں کے کیا خیالات تھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ خود میرا دل ایک بات کی طرف کھٹک رہا تھا یعنی دوسرے معنوں میں میرا ضمیر حقیقت کی گواہی دے رہا تھا بعض وقت مجھے یہ خیال ہوتا کہ اب ہمارے جذبات حد سے تجاوز کر گئے ہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ میں خود ان جھگڑوں سے نجات حاصل کرنے کی خاطر بھاگ جاؤں۔ اور رہ رہ کر مجھے وہ پرانا خیال ستا رہا تھا کہ چچا جگ موہن کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کروں۔ اور اپنے قدیم ہمسایہ مسلمان چرم فروشوں کے بچوں کو علم و عمل کی تعلیم دوں سردیوں کا موسم تھا ایک روز دوپہر میں گروجی اور ان کے پیٹ بھرے تھکے ماندے چیلے حسب عادت آرام لے رہے تھے۔ ایسے وقت میں سنتیش کسی کام سے اپنے کمرے میں گیا ابھی وہ سیڑھیوں ہی پر تھا کہ اس کو عجیب و غریب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ فوراً رک گیا۔ اور کیا دیکھتا ہے کہ کمرے کے سامنے دمنی بال کھولے کپڑے پھیلائے سر پیٹتے ہوئے چیخ چیخ کر رو رہی ہے۔ سنتیش پر نظر پڑتے ہی روتے ہوئے اس نے کہا" ارے پتھر کے بت وہ بے حس انسان رحم کر رحم کر میرے حال پر رحم کر۔ اور مجھے فوراً مار ڈال" یہ حالت دیکھ کر سنتیش پر کچھ دیر تک سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ اور وہ بغیر کچھ بولے تباہے وہاں سے الٹے پاؤں بھاگ گیا۔

(۸)

لیلا نند اسامی کا قاعدہ تھا کہ وہ سال میں ایک دفعہ شہر سے بہت دور کسی پرسکون مقام پر جا کر رہ جاتے تھے چنانچہ اس سال بھی ماگ کے مہینے میں ان کا سالانہ سفر آپہنچا اس سفر میں سنیش کا جانا بھی ضروری تھا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی میرے جانے کے اسباب یہ تھے کہ اول تو میں سنیش سے الگ رہنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میرے نفسانی جذبات کے جوش کو کسی قدر ٹھنڈا کرنے کی ضرورت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ دماغی سکون کی بھی ضرورت لاحق ہو گئی تھی۔ جانے سے پیشتر گروجی نے دمنی کو بلایا۔ اور اس سے کہا میری چھوٹی ماتا میں سفر پر جا رہا ہوں کچھ عرصے کے لیے تمہیں تنہا رہنا پڑے گا اس لیے مجھے اب تمہارا انتظام کرنا چاہیے۔ تم پہلے کی طرح اس سال بھی اپنی چچی کے ساتھ رہو گی۔ "میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی" دمنی نے کہا۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ تم سفر کی مصیبتوں کا سامنا مشکل ہی سے کر و گی۔ اس لیے کہ ہمارا یہ سفر بڑا ہی کٹھن ہے۔"

"ممکن ہے میں سفر کی مشکلیں نہ اٹھا سکوں" اس نے کہا "لیکن آپ سے میری التدعا ہے کہ آپ میری کسی قسم کی تکلیف کا خیال نہ فرمائیں"

دمنی کے اس عقیدت مندانہ جواب کو سن کر لیلا نند اسامی کو بڑی مسرت ہوئی پچھلے سالوں میں سامی جی کے سفر کے وقت دمنی چھٹیوں کے مزے اڑاتی تھی اور ان دنوں کا مہینوں پہلے سے انتظار کرتی رہتی تھی۔ "حقیقت میں یہ ایک معجزہ ہے" سامی جی نے تعجب کے ساتھ کہا کہ "خدا کی محبت کے سامنے ایک پتھر بھی موم بن جاتا ہے۔" بہر حال دمنی بھی سامی جی کے ہم سفر بن گئی۔

(۹)

وہ مقام جہاں کئی گھنٹوں کی کٹھن مسافت کے بعد ہم لوگ پہنچے، سمندر کے کنارے ایک سایہ دار ناریل کے درختوں سے گھرا ہوا حصہ تھا۔ خاموشی اور سکوت کا دور دورہ تھا اور پانی کے تموج کے ساتھ ساتھ ناریل کے پتوں کی رگڑ ایک عجیب و غریب آواز پیدا کر رہی تھی۔ اس مقام سے قریب ایک پر فضا پہاڑی بھی تھی۔ جہاں قدیم زمانے کا ایک مندر اور کچھ منقش غار بھی تھے۔ جس کے باعث پوجا پاٹ کے لیے ہم لوگوں کو بڑی آسانی ہو گئی۔

ہم اپنی جھونپڑی سے اس پہاڑی پر اس غرض سے گئے تھے کہ پوجا پاٹ کے غروبِ آفتاب سے پہلے واپس ہو جائیں۔ لیکن بھجن اور گانے بجانے میں شام ہو گئی۔ چونکہ رستہ خطرناک تھا اس لیے سوامی جی نے مناسب یہی سمجھا کہ رات وہیں بسر کی جائے۔

چاندنی رات تھی اس لیے عبادت سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ مندر کے سامنے والے میدان میں بیٹھ گئے۔ اور بیٹھے بیٹھے سوامی جی گن گنانے لگے اس کے بعد انہوں نے خود اپنی لکھی ہوئی ایک نظم سنائی۔ اگرچہ ہم نے یہ نظم اس سے پہلے بھی سنی تھی لیکن جس حقیقی جذبے کے ساتھ وہ اس وقت گا رہے تھے شاید آئندہ ایسا ممکن نہ ہو۔ ان پر ایک خاص قسم کی رقت طاری تھی اور جھوم جھوم کر ہر شعر کو پڑھتے تھے۔ اس نظم کا ذہنی پر خاص اثر ہوا۔ وہ روتی ہوئی سوامی جی کے قدموں پر گر پڑی اور بہت دیر تک اسی حالت میں پڑی رہی۔

ستیش کی ڈائری سے

"مندر میں کئی کمرے تھے۔ ان میں سے ایک کمرے میں میں نے اپنا بلانکٹ بچھا دیا

اور میں پر لیٹ گیا۔ تاریکی نے پورے کمرے کو گھیر لیا تھا۔ اور یہ کمرا ایک قوی زنداں اور ڈراؤنے دیو
کی طرح دکھائی دے رہا تھا جس کی مرطوب سانس کی ہوا میرے جسم کو نم کر رہی تھی۔ اب میرے دل میں یہ
خیالات پیدا ہو چلے تھے کہ ابتدائے آفرینش میں سب سے پہلے یہی بے ڈول جانور پیدا کیا گیا ہوگا
جس کے آنکھیں تھے اور نہ کان۔ لیکن صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو بھوک بہت زیادہ تھی۔ اس
تاریک عالم میں ایک زمانے تک رہنے کے باعث وہ جانور اس قدر ان سمجھ ہو گیا تھا کہ اس میں کسی قسم
کی تمیز کا مادہ باقی نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے دماغ ہی نہ تھا۔ لیکن اس کی قوت احساس ابھی زائل ہونے نہ
پائی تھی۔ شاید کبھی کبھی وہ کسی چیز کو محسوس کر لیتا تھا۔ اس لیے اس کی بے نور آنکھوں سے آنسو ڈھلک
کر اس کے رخساروں کو اپنی نمی سے مرطوب کر رہے تھے۔ تکان کے باعث میرے تمام جوڑ
درد دے رہے تھے کوئی پرندا شاید چمگادڑ کمرے کے اندر اپنے پر پھٹ پھٹا رہا تھا۔ اور
اس تاریکی میں اس کے پروں کی حرکت سے ٹھنڈی ہوا محسوس ہو رہی تھی چونکہ کمرا
پہلے ہی سے سرد تھا اس لیے اس مزید سردی کے پہنچنے سے میرا جسم کپکپانے لگا۔

میں یہ سوچنے لگا کہ یہاں سونے سے بہتر تو یہی ہے کہ باہر کسی حصے میں جا کر آرام لوں لیکن
مشکل یہ تھی کہ گھپ اندھیرے کے باعث مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لیے
دروازے کا ملنا نہایت ہی مشکل تھا۔ بہرحال میں ہاتھ پاؤں کے بل رینگنے لگا کچھ دیر بعد اس کمرے
کی دیوار سے ٹکرا گیا۔ پھر میں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔ دروازے کو پانے کی بجائے ایک ایسے
گڑھے میں جا گرا جس میں اوپر سے پانی ٹپک ٹپک کر جمع ہو گیا تھا۔ مجبور ہو کر میں اسی طرح رینگتا
ہوا اپنے بلانکٹ پر آ کر لیٹ گیا۔ لیکن پھر سے میرے دل میں یہ وسوسے پیدا ہونے لگے کہ واقعی
میں ایک شیطان کے پنجے میں پھنس گیا ہوں جس سے نجات پانا ممکن نہیں۔ اور مجھے یقین ہو گیا
تھا کہ ایک ایسے اندھے بھکڑ کا نوالا بن گیا ہوں جو نہایت خاموشی کے ساتھ مجھے ایک دم نگل جائے گا
آخر میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ نیند ہی مجھے ان مصیبتوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ اس تاریک ڈراؤنے
اور تنہا مقام پر ہوش و حواس کے ساتھ رہنا میرے لیے خطرے سے خالی نہیں اور مجھے یقین تھا کہ

ایسی حالت میں یہی سوت کا شکار بنے بغیر نہیں رہ سکتا مجھے معلوم نہیں کہ ان خیالات کے کتنی دیر بعد مجھے نیند آئی۔ اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حقیقت میں وہ نیند بھی یا کوئی خاص قسم کی غنودگی مجھ پر طاری ہو گئی تھی اس نیم بیہوشی کے عالم میں مجھے کچھ خیال ہے کہ میں نے ایک سرد اور ٹھنڈی ہوا کی لمس کی جس کی ہوا میرے پاؤں تک پہنچ رہی تھی ہاں میں یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ٹھنڈک میری ہی سانس کی تھی نہ کہ اس خیالی دیو کی"

اسی حالت میں کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ کوئی چیز میرے پاؤں کے پاس پھر رہی ہے اور یہ حقیقت میں کوئی جانور ہے یہ خیال میرے دل میں گذرا لیکن وہاں یہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کو محسوس کیا جا سکے۔ اس کے چھونے سے بال وغیرہ کا پتا نہیں چل رہا تھا اس لیے مجھے خیال پیدا ہوا کہ شاید سانپ یا اسی قسم کی کوئی چیز ہو۔ بہر حال میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا مگر تھوڑی دیر بعد جب میں نے اس کو چھو کر دیکھا تو مجھے کوئی نرم نرم سی چیز محسوس ہوئی۔ اور ایک دم مجھے خیال پیدا ہوا کہ یہ پیر وہی خیالی بھوت کا اور خطرناک دیو ہوگا۔ اب میں خوف اور پریشانی کے عالم میں تھا اس لیے میرے منہ سے آواز تک نہیں نکل رہی تھی میں نے اپنے دونوں پاؤں سے اس کو دھکیلنا چاہا اور اس اثنا میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے منہ سے میرے پاؤں کو چھو رہا ہے اور ساتھ ہی اس کے ہانپنے کی وجہ سے جو سانس لے رہی تھی اس کی ٹھنڈی ہوا میرے پاؤں کو لگ رہی تھی مجھے تعجب ہو رہا تھا آخر اس جانور کا منہ کتنا بڑا ہوگا جس سے بار بار ہوا کے جھکڑ آ رہے تھے۔ کسی قدر جرات کے ساتھ میں نے پھر سے ایک جھٹکا مارا پہلے تو مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ اس جانور کے بال نہیں ہیں لیکن اس دفعہ یقین ہو گیا کہ میرا پاؤں ایک بالوں والے برش میں پہنچ گیا ہے اس کے بعد فوراً میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور خوف سے تھرانے لگا۔ اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی چیز اس گہرے اندھیرے میں سے جا رہی ہے۔ اس لیے کہ اس کی دھیمی آواز بھی سنائی دے رہی تھی نہ معلوم کہ آیا یہ اس کی کراہٹ تھی یا کسی خاص جانور کی آواز ـــــ

تیسرا باب

دینی

تیسرا باب

دمنی

(۱)

اپنے لمبے چوڑے سفر سے واپس آنے کے بعد سامی جی نے ایک مرید خاص کی استدعا پر کلکتہ ہی میں قیام فرمایا۔ گرو جی کا مکان دمنی کے مکان سے ملا ہوا تھا۔ اگرچہ یہ عورت ہم سے الگ رہتی تھی مگر سامی جی روزانہ اس سے ملنے جایا کرتے تھے۔ اس عرصے میں دمنی کا طرز عمل بہت کچھ بدل گیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے خد گرو جی سے بے اعتنائی برتنا شروع کر دی تھی۔ وہ پہلے تو ایک پردہ دار عورت تھی مگر بعد میں وہی دمنی اپنے ہمسایوں کے گھر بے نقاب آیا جایا کرتی تھی۔ اور اس قدر شوخ ہو گئی تھی کہ ایک غیر مرد سے بھی بات کرتے نہ شرماتی تھی۔ اس کا رویا عام لوگوں کو پسند نہ تھا جب گرو جی کو ان حرکتوں کی اطلاع ملی تو وہ بھی اس سے کسی قدر ناراض ہو گئے مگر اپنے عقیدت مند مرید شیوا نوتش کی بار . . . . . ان کو وہ رہ کرستانی تھی۔ اس لیے وہ شیوا نوتش کی بیوا کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے۔

ان تمام بے اعتدالیوں کے باوجود گرو جی کو یقین تھا کہ ایک

دن دمنی راہ راست پر آجائے گی اور ان کا کہنا تھا کہ :۔
خدا سے بزرگ کو اس کا امتحان کرنا مقصود ہے اس لیے دمنی نے یہ غلط رستہ اختیار کیا ہے ہرن ہزار بھاگے مگر اس کا پیچھا کب چھٹنے والا ہے ۔ بس اسی اعتبار سے آج نہ سہی کل، کل نہیں تو پرسوں یا اور کسی دن یا کم سے کم زندگی کے آخری ایام میں تو دمنی کا صحیح رستے پر آجانا ضروری ہے ۔۔۔۔۔"

ہم لوگ دمنی سے اس لیے زیادہ تر خفا رہتے تھے کہ ایک عورت نیک رستہ چھوڑ کر پھر سے لہو ولعب اور فضولیات کا شکار بن گئی تھی۔ حالانکہ سامی جی کو اس سے کامل اطمینان تھا لیکن ہمارے بغض وحسد کی آگ ہمیں بے چین کیے دیتی تھی۔ ایک دن کا اتفاق ہے کہ سامی جی بلا کسی اطلاع کے دمنی کے گھر پر گئے ۔ دمنی گھر پر موجود تھی۔ رسمی ملاقات کے بعد گرو جی نے اس کو بہت کچھ سمجھایا نیک تلقین کی اور کہا "بیٹی! میں آج دوپہر میں تم سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتا ہوں کیا تم کو اس وقت فرصت ہو گی ؟"

دمنی نے نہایت ترش روئی کے ساتھ کہا "معاف فرمایئے آج دوپہر میں مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے ۔

"وہ کون سا کام ہے جو مجھ سے چھپانا چاہتی ہو" گرو جی نے دریافت کیا ۔

"چھپانا کیا معنی، یہی کہ نند کے مکان پر مٹھائی تیار کرنی ہے "
"مٹھائی، کیا کوئی تقریب ہے ؟"
"جی ہاں! ان کے گھر شادی ہے"

"کیا تمہارے بغیر ان کی سٹھائی تیار نہیں ہو سکتی؟"

"ایسا نہیں بلکہ میں نے ان سے وعدا کر لیا ہے اس لیے میرا جانا ضروری ہے۔" یہ کہتے ہوئے دمنی کمرے سے باہر چلی گئی۔ تاکہ گروجی کی طرف سے اور کوئی سوال نہ ہونے پائے۔

جب اس عجیب وغریب واقعے کی اطلاع ہم لوگوں تک پہنچی تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خصوصاً ستیش محو حیرت تھا کہ عالم فاضل اور معمر لوگ تک گروجی کے قدموں پہ اپنا سر ٹیک دیتے ہیں مگر ایک نوجوان جاہل اور ان پڑھ عورت کو اس قسم کے جواب دینے کی کیسے جرات ہوئی۔

اگرچہ گروجی کے ساتھ دمنی کا برتاو اچھا نہیں تھا لیکن اس بزرگ ہستی نے اس کی باتوں کی مطلق پرواہ نہ کی بلکہ اس واقعے کے بعد بھی برابر اس کے گھر جاتے رہے ایک روز جب گروجی دمنی کے گھر پہنچے تو وہ کپڑے سینے میں مشغول تھی۔ دمنی پر نظر پڑتے ہی سامی جی نے فرط محبت سے اس کو پکارنا چاہا۔ مگر پیچھے سے ایک شخص کی آواز نے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ سامی جی نے اس شخص سے بات چیت کر کے پھر سے دمنی کی طرف رخ کیا مگر اس دفعا دمنی اپنی جگہ سے غایب تھی۔ گروجی مکان کے اندرونی حصے میں چلا گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ دمنی ایک شخص کی تیمارداری میں مصروف ہے یہ حالت دیکھ کر گروجی چپکے سے پلٹ گئے۔ اور اپنے گھر کی راہ لی اسی دن دوپہر میں ستیش بھی دمنی کے گھر گیا اور اس نے دمنی سے دریافت کیا "تم نے وہاں کا آنا جانا کس لیے چھوڑ دیا ہے؟"

"وہ کہاں" دمنی نے تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔

"گروجی کے گھر" ستیش نے کہا۔

"تمہیں اور تمہارے گروکو میرے آنے جانے سے کیا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے؟"

"ہمارا نہیں خود تمہارا فائیدا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ مجھے کوئی فائیدا نہیں ہو سکتا۔" دمنی نے انکاری طور پر کہا۔ اس کے بعد مارے غصے کے دمنی کا چہرا لال ہو گیا۔ ستیش اس کو خاموشی کے ساتھ گھور رہا تھا۔ چنانچہ کچھ دقفا بعد اس نے کہا۔

"تم کو اطمینان قلب کی سخت ضرورت ہے اور اگر تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے تو......"

"اطمینان" بات کاٹ کر دمنی نے کہا "تم جیسے حاسدوں سے اطمینان کی امید!"

اس کے بعد ستیش سے بے زارگی کا اظہار کرتے ہوئے دمنی روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

خدا کے لیے مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو میں پہلے ہی سے مطمئن ہوں اور آئیندا بھی ایسی رہوں گی۔"

"تم بڑے دھوکے میں ہو۔ تمہارے تصوری اطمینان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سطح سمندر کی بدلتی موجیں۔ اگر تم صبر اور سکون کے ساتھ اس کی گہرائی تک پہنچو تو تمہیں اصلی چین آرام نصیب ہوگا۔"

یہ سن کر دمنی نے سر پیٹتے ہوئے کہا ـــــ

"میں تم سے بھی وہی کہتی ہوں کہ خدا کے لیے مجھے اپنی حالت پر

چھوڑ دو میں کسی چیز کی گہرائی تک پہنچنا نہیں چاہتی۔ اگر تم لوگ میرا پیچھا چھوڑ دیں تو بس یہی چیز میرے اطمینان کا باعث ہو گی۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی کشش غصے اور مایوسی کے عالم میں دمنی پر ایک ترچھی نظر دوڑاتے ہوئے پلٹا اور تیزی کے ساتھ گھر سے باہر ہو گیا۔

(۲)

ایک خشک اور ناتجربے کار انسان کے لیے یہ بات نہایت ہی مشکل ہے کہ وہ عورتوں کی عادتوں اور طور طریق ان کے راز و نیاز اور بھیدوں سے پورے پورے طور پر واقف ہو سکے۔ بلکل یہی حالت میری بھی تھی۔ لیکن جہاں تک میری معلومات اور تجربے اجازت دیتے ہیں میں یہ کہوں گا کہ عورتوں کی نظر انتخاب اکثر غلطی پر مبنی ہوتی ہے۔ یعنی انہیں ایسے مردوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کے ساتھ صرف چند روز تک یا زیادہ سے زیادہ کچھ عرصے تک بلہوسی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کے بعد جب خواہشات نفسانی اور انسانی جذبات کمزور پڑ جاتے ہیں تو پھر باقی عمر کے ختم تک میاں بیوی دونوں کی زندگی تلخ اور دوبھر ہو جاتی ہے۔ سوائے رنج و غم تکلیف و مصیبت اور دنگے فساد کے کچھ نہیں سوجھتا۔ عورت عشق کے ابتدائی دور میں محبت اور جنون کی تاریک عینک لگا کر اندھی بن جاتی ہے جاہل سے جاہل، پاگل، بے وقوف اور بدصورت شخص کو تک اپنا عاشق یا معشوق بنانے نہیں جھجکتی اس طرح وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی ہے لیکن تھوڑے دنوں بعد وہ اسی شخص کی

ٹھوکروں کا شکار بن جاتی ہے۔ انسانی کمزوریوں میں سے صرف یہی ایک کمزوری ایسی ہے جس کا مرض دنیا کے ہر حصے میں عام ہے اگرچہ دنیا کو وجود میں آئے کئی لاکھ برس اور انسان کو انسان بنے ہزاروں سال گزر چکے اور انسان کو تہذیب و تمدن کے دائرے میں قدم رکھے سیکڑوں برس ہو گئے نیز صنف نازک نے ہر علمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کرلی مگر اس نسوانی کمزوری کا ازالہ اب تک نہ ہو سکا جن طبقوں کی عورتوں کو اپنے شریک زندگی کے انتخاب میں کامل آزادی نصیب ہے ان کی باریک بین نظر مجھ جیسے سیدھے سادے غریب اور مفلوک حال اشخاص پر کبھی نہیں پڑتی۔ بلکہ ترچھے تیکھے بانکے نوجوانوں اور دولت مند لوگوں پر پڑتی ہے۔ ایسے حضرات باطن میں کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں مگر ان کی وضع داری اور ظاہری شان و شوکت، وجاہت، دبدبا اور جھوٹا عشق و محبت عورتوں کی کمزور عقل پر کچھ ایسا جادو کا سا اثر کر جاتا ہے کہ اس بلا کے بھنور سے ان کا نجات پانا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس کے برعکس سچے عاشق اور حقیقی محبت کرنے والے ہجر و فراق کی کٹھن گھڑیاں کاٹتے کاٹتے شمع پر پروانے کی طرح سر ٹپک ٹپک کر اپنی پیاری جان کا ناحق خون کر بیٹھتے ہیں۔

دمنی بھی اسی قسم کے واقعات کا شکار رہی ہوئی تھی اس لیے وہ گروجی اور سنجیونی سے ملنا گوارا نہیں کرتی تھی چونکہ میں ایک آزاد منش اور اس کا ہم خیال شخص واقع ہوا تھا۔ اس لیے جب کبھی موقع ملتا وہ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتی اور گھنٹوں بات

چیت کرنے کا موقع دیتی۔ کبھی اپنے گذشتہ حالات اور کبھی موجود واقعات اور کبھی محلے کی عورتوں کی داستانیں ان کے کارنامے اور عجیب و غریب قصے سنائی۔

اسی طرح ایک عرصا گذر گیا اور ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے راز دار بن گئے۔ ایک دن کا اتفاق ہے کہ دمنی کا نیولا چھوٹ گیا اور میں اس کو پکڑنے کی ناکام کوشش میں ہات میں دودھ کا پیالا لیے پورے صحن میں ادھر سے ادھر نیولے کا پیچھا کر رہا تھا اس اثنا میں ستیش بلکل غیر متوقع طور پر آ پہنچ گیا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر ستیش محو حیرت ہو گیا۔ اور میں اپنے تئیں شرم سے پسینا پسینا ہو رہا تھا۔ کچھ وقفے کے بعد دودھ کا پیالا نیچے رکھ کر میں ستیش کی طرف جا رہا تھا کہ فوراً دمنی نے ایک زور کی آواز لگائی "کیوں سری دیلاس بابو کدھر چلے ذرا ادھر تو آنا" یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ اس لیے کہ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ مجھ سے کہیں زیادا دمنی پر اس واقعے کا اثر ہوا ہوگا لیکن اس نے میرے خیال کے خلاف بڑی جرات ظاہر کی۔ لیکن اس کے باوجود آواز کی پروا کیے بغیر میں ستیش کی طرف بڑا چلا جا رہا تھا کہ پیچھے سے دمنی دوڑتی ہوئی آئی۔ اور میرا ہات پکڑ کر کہا۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا؟" میں نے زور سے جھٹکا دے کر ہات چھڑاتے ہوے کہا "مجھ کو جانے دو میں وہاں - - - - -!" اس نے بات کاٹ کر کہا۔ "اب وہاں جانے سے فائیدا؟ اس وقت تک تو وہ ختم کر چکے ہوں گے آؤ میرے ساتھ چلو۔"

ستیش جیسے مذہبی کے روبرو اس قسم کی گفتگو سن کر میں سخت

پریشان تھا۔ مگر دمنی نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا ہے اس نے ستیش سے
یہ کہنے کی جرات کی کہ شاید آپ کو اس کا علم نہیں کہ میرا نیولا چھوٹ
گیا ہے جس سے بڑی تکلیفوں کا سامنا ہو رہا ہے۔ محلے والے روزانہ
شکایتیں کرتے ہیں۔ کل ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان ہمسایے کے
گھر سے مرغی غائب ہو گئی تو ان لوگوں نے میرے گھر پر شور مچانا شروع
کیا اس لیے میں نے نیولے کو پکڑنے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ کسی
طرح ہاتھ نہ آیا۔ ٹھیک کریں نے سری دیلاس بابو کی مدد طلب کی تاکہ
ہم دونوں مل کر آسانی سے نیولے کو گرفتار کر سکیں۔ اور مجھ کو
اطمینان نصیب ہو۔"

ستیش کے چہرے سے غصے اور نفرت کا اظہار ہو رہا تھا دمنی
کی تقریر ختم ہوتے ہی وہ بغیر کچھ بولے بتائے چلا گیا۔ اس کے جانے
کے بعد دمنی میرا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی مجھے گھر کے اندرونی حصے میں لے گئی۔
اس کے بعد میرا وقت زیادہ تر دمنی ہی کی صحبت میں گزرنے لگا۔ تمام
دن بلکہ بعض اوقات رات کے بڑے حصے تک ہم دونوں بات چیت
کرنے گزار دیتے تھے۔ دمنی کو میرے کھانے وغیرہ کا بڑا خیال پیدا
ہو گیا تھا۔ ہر روز نئی نئی قسم کی مٹھائیاں اور مختلف قسم کے کھانے
میری خاطر تیار کیے جاتے تھے۔ صرف اسی پر منحصر نہیں بلکہ اس بارے
میں خود میری رائے بھی طلب کی جاتی کہ کون کون سی چیز مجھے مرغوب
ہے تاکہ میرے لیے اس کا خاص طور پر انتظام کیا جا سکے۔ بہرحال
میری غذا امیروں کی غذا سے بھی بڑی چڑھی ہو گئی تھی۔

ایک دن میں نے سوچا کہ ہم تو یوں بیٹھے مزے اڑائیں اور ادھر

بے چارا سنتیش فاقے پر فاقا کھینچے ایک روز جب ہم دسترخان پر بیٹھے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے میں نے دینی سے اپنے خیال کا اظہار کیا یہ سن کر اس نے کہا "میں آپ کے خیال کی مخالفت تو نہیں کرتی مگر اس قدر ضرور کہوں گی کہ اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے بعد آپ کو بجائے خوشی کے رنج ہوگا۔ میں ہرگز یہ نہیں کہتی کہ آپ کچھ نہ لے جائیں ضرور لے جائیے یہ سب کچھ آپ ہی کا ہے مگر سنتیش کے پاس کوئی چیز لے جانے سے پہلے ذرا اور سوچ سمجھ سے کام لینا اس لیے کہ آپ تو اس کی طبیعت اور فطرت سے اچھی طرح واقف ہیں۔" دینی کی رائے بالکل صحیح تھی اس لیے میں اپنے ارادے سے باز آ گیا۔

(۳)

کچھ عرصا بعد ایک روز سنتیش نے مجھ سے کہا "دیکھو سری، اب تم دینی سے ملنا جلنا چھوڑ دو" "کس لیے؟" میں نے ذرا التعجب کے ساتھ دریافت کیا "تاکہ ہم عورتوں کے اثر سے محفوظ رہیں"، میں نے کہا اگر واقعی ایسا ہی ہونا چاہیے تو پھر قانون قدرت میں کچھ غلطی ضرور ہے یہ الفاظ سنتے ہی سنتیش کا چہرا غصے سے سرخ ہو گیا اور میں نے اسے سمجھانا شروع کیا کہ اس کا خیال ایک حد تک غلطی پر مبنی ہے اس لیے کہ عورت کا وجود مصلحت اور قانون قدرت کے خلاف نہیں۔ اگر عورت یا مرد کا دنیا میں سرے سے وجود ہی نہ ہو تو پھر اس کائنات کے نظام کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ صنف نازک سے بچنے کی ہزار کوششیں کریں لیکن قانون فطرت کے تحت ایک نہ ایک دن ہمیں اس کی محبت کے جال میں پھنسنا ہی پڑے گا۔ اگر تمہاری زندگی کی سلامتی کا راز اس میں مضمر ہے کہ

تم ہمیشہ عورت سے بچنے کی کوشش میں اس سے بھاگتے رہو تو پھر تمہاری زندگی کی مثال ایسی ہو گی جیسے ایک خیالی شیطان کی تلاش میں ان تھک کوششوں کے بعد انسان کو خفت نصیب ہوتی ہے سینیٹس نے پرزور الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا "بس اب آپ اپنے فلسفے کو ختم کریں میں دنیا کی عملی زندگی سے بحث کر رہا ہوں اور آپ کدھر بھٹک گئے میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ عام طور پر عورتیں مکار دغا باز اور چالاک ہیں۔ مکر و فریب سے مرد کو اپنا دیوانا بنا لیتی ہیں اس لیے ہم ان کے دھوکے سے بچنے کی کوشش کریں اور اسی لیے ان سے دوری اختیار کی جائے تاکہ ہماری زندگی رنج و آلام اور دنیا کی فکروں سے بالکل پاک صاف رہے۔

میں ابھی کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ پھر سینیٹس نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا "میرے قدیم کرم فرما دوست سری ہسنو! میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ کو عورت کی عادتوں اس کے طور اطوار اور خصلتوں میں مکر و فریب کی جھلکیاں نظر نہیں آ رہی ہیں تو یہ آپ کی نظر کا قصور ہے اور سچ یہ ہے کہ آپ اس کے مکر کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آج آپ اس کے حسن کے دیوانے بنے ہوئے ہیں لیکن کل اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے بعد اسی عورت میں آپ کو وہ پہلا سا جادو نظر نہ آئے گا اور جب آپ کی نظر میں اس کے حسن کی کوئی قدر و منزلت نہ ہو گی تو ظاہر ہے کہ وہی عورت تمہاری حریص نظروں کے سامنے ذلیل ہو جائے گی۔ جب ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ عورت کی مکاری کا شکار بن کر ہمیں ایک نہ ایک

دن کف افسوس ملنا پڑے گا تو پھر کس لیے اندھوں اور جاہل بیوقوفوں کی طرح اس خطرے میں پڑیں۔" جب اس نے اپنی پوری تقریر ختم کر لی تو میں نے کہا کہ جناب کی تمام دلیلیں ٹھیک ہیں جن کو میں سر آنکھوں پر رکھتا ہوں مگر میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خدا میں نے یہ خواہش نہیں پیدا کی ہے اس لیے اس سے نجات پانے کا مجھے کوئی راستہ بھی سجائی نہیں دیتا۔

جب ہم مکروفریب کے جال سے کسی طرح نہیں بچ سکتے تو بلاشبہ روحی قوت کا فرض تھا کہ وہ اس معاملے میں ہماری مددگار رہتی اس کے بعد میں نے ستیش کو نہایت ہی محبت بھرے الفاظ کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری زندگی کی کشمکش کی مثال بلکل ایک ایسی کشتی کی سی ہے جو طوفانی سمندر میں تیر رہی ہو۔ ایسی صورت میں ہماری کوشش یہ ہوگی کہ کسی نہ کسی طرح کنارے پر پہنچیں نہ یہ کہ ہات پر ہات دھرے قسمت پر بھروسا کر کے بیٹھ رہیں۔ یہ باتیں ستیش کو کچھ ناگوار سی گذریں چنانچہ اس نے کہا "تم لوگ جو گروجی سے متنفر ہو گئے ہو اس کا کیا علاج ایسے دوزخ کے کندوں کو کیا خاک سمجھایا جائے" یہ کہتے ہوئے وہ ساماجی کے کمرے میں چلا گیا۔

کچھ عرصے سے مشہور رگو بے گروجی کے گھر میں ٹھرے ہوئے تھے ایک رات ان کا گانا مقرر ہوا۔ گانے کی مجلس کے جملا انتظامات میرے اور ستیش کے تفویض ہوئے رات کے کھانے کے بعد تقریبا دس بجے سے محفل کا رنگ جمنا شروع ہوا۔ اس لیے پہلے ہی سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اسی رنگ میں پوری رات ختم ہو جائے گی چنانچہ

اسی خیال کے مد نظر تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد میں سب سے الگ جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا اور جب سب لوگ سننے میں محو ہو گئے تو میں چپکے سے آنکھ بچا کر باہر نکل گیا اور دمنی کے گھر کی راہ لی۔ جس وقت میں اس کے گھر پہنچا ہوں تقریباً دو بجے تھے وہاں جانے کے بعد میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی اس لیے کہ توقع کے خلاف میں نے دیکھا کہ دمنی بجائے آرام کرنے کے کسی سوچ میں پریشان حال بیٹھی ہے اس غیر متوقع حالت کو دیکھ کر میں نے وجہ دریافت کی اس پر وہ بگڑ بیٹھی اور جو کچھ بھی جواب دیا وہ نہایت ترش روی اور سخت الفاظ میں۔ میں حیران تھا کہ اس کو آخر ہو کیا گیا ہے آیا وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس نے یہ طرز گفتگو مجبوراً اختیار کیا تھا اس طرح سے ہم دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے اور سینیش خاموشی کے ساتھ ہمارے پیچھے کھڑا ہوا پوری گفتگو سن رہا تھا مگر ہماری بات چیت ہی کے دوران میں وہ ہمارے مقابل آ گیا۔ اس کے آتے ہی دمنی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کو جاتے دیکھ کر سینیش نے چلایا "دمنی، دمنی! ٹھہرو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں" ان الفاظ کو سنتے ہی دمنی اپنے کمرے سے پھر ہمارے مقابل آ گئی۔ اس وقت میں نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔ لیکن جوں ہی میں نے اس قسم کا ارادہ ظاہر کیا دمنی نے مجھ کو ٹھہرے رہنے پر مجبور کیا اس کے بعد سینیش نے دمنی سے کہا "تم نے گروجی سے جب پہلی دفعہ عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا تو غالباً اس میں تمہارا کوئی خاص فائدہ چھپا ہوا تھا۔"

"ہرگز نہیں خدا کی قسم میں بالکل سچ کہتی ہوں کہ ذرا برابر منفعت نہیں تھی!" دینی نے جوش کے ساتھ جواب دیا۔

"اچھا تو پھر تم اپنے آپ کو ان کے مریدوں میں کیوں شمار کرتی ہو ——"

"بالکل غلط —— میں نے کب کہا ——"

"تو سنو! اگر تمہارا یہی خیال ہے تو ہم نے بھی تصفیہ کر لیا ہے کہ تمہارے اخراجات وغیرہ ...."

"کیا کہا —— میرے اخراجات ......"

"جی ہاں ...."

"مضائقہ نہیں۔ دیکھا جائے گا ——"

"دیکھو اپنے آئندہ مصائب پر خوب غور کر لینا"

"اس سے تمہیں کیا واسطہ میں اپنے کیے کو آپ ہی نمٹ لوں گی!"

ان الفاظ کے بعد روتے ہوئے دینی نے اپنے چہرے کو دونوں ہات سے چھپا لیا اور اس قدر روئی کہ ہچکی بند گئی اس منظر کی تاب نہ لا کر ستیش تو چلتا بنا اور میں دینی کو سمجھانے میں مشغول ہو گیا لیکن وہ سمجھانے نہ سمجھتی تھی۔ بہر حال اسی حالت میں رات بسر ہو گئی۔

(۴)

کچھ تو دینی کے چال چلن کی اصلاح کے خیال سے اور بہت کچھ اپنے عقیدت مند مرحوم چیلے شیو اتوش کی وصیت کا لحاظ کرتے ہوئے سامی جی اپنے چیلوں کے ساتھ دینی کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

یہاں آنے کے بعد انہوں نے دینی کو اپنا ہم خیال بنانے کی بہت

بہت کوشش کی لیکن دمنی پر ان کی تحریکوں کا مطلق اثر نہ ہوا۔ کچھ عرصہ بعد جب سامی جی کے سالانا مقرر سفر کا وقت آپہنچا تو انہوں نے دمنی سے کہا کہ "سنو بیٹی! اب ہماری کوچ کا وقت قریب ہے میری رائے ہے کہ تم اپنی چچی کے گھر چلی جاؤ ——"

"کیوں؟ اس کی کیا ضرورت ہے کہ میں کسی دوسرے کے گھر جاکر رہوں" دمنی نے طیش میں آکر کہا اور نہایت ہی ترش روی کے ساتھ جواب دیا۔

"اس لیے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

"بس رہنے بھی دو، اول تو یہ کہ وہ میری حقیقی چچی ہی نہیں ۔ انہیں میرا بار اٹھانے کی ضرورت ہی" دمنی نے بات کاٹ کر کہا۔

"تمہارے اخراجات کا انتظام ہم کر دیں گے تم اس کی فکر نہ کرنا"

"تو کیا صرف اخراجات ہی کا ایک بار ہی انہیں کیا پڑی ہے کہ میری خدمت بھی کریں"

"تو میں کب تک اس طرح تمہاری نگرانی کرتا رہوں"

"کیا میں اس کی جوابدہ ہوسکتی ہوں؟"

"ذرا تم غور کرو کہ میرے بعد تمہارا کیا حال ہوگا"

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں میرا کوئی نہیں لہذا میرے مرحوم شوہر کی وصیت پر عمل کرنا آپ کا فرض ہے"

اس قدر کہنے کے بعد دمنی چلی گئی اور سامی جی نے ایک آہ سرد کھینچ کر کہا! ——

"اے خدا تو اس ضدی لڑکی کے حال پر رحم فرما"

چند روز بعد ومنی نے مجھ سے چند بنگالی کتابوں کی فرمائش کی۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ومنی کا مذاق ہمارے گرو کے مذاق کے بالکل مختلف ہے۔ چنانچہ میں نے اسی مذاق کے مطابق ایک جدید خیالات کے مصنف کی چند تصنیفات خریدیں جب میں یہ کتابیں لے کر مکان میں داخل ہوا تو اتفاقاً گرو جی سے سامنا ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کون سی کتابیں ہیں۔ اور ساتھ ہی ہاتھ بھی بڑھایا۔ اس وقت مجھے کوئی عذر نہیں سوجھ سکا۔ میں مطلوبا چیزیں ان کے حوالے کرنے پر بالکل مجبور ہو گیا تھا۔ اس لیے میں نے وہ تمام کتابیں بلا کسی چوں وچرا کے سامی جی کے حوالے کر دیں۔ دو تین کتابیں دیکھنے کے بعد انہوں نے دریافت فرمایا:

"یہ کتابیں کس کے لیے لے آئے ہو؟"

میں بالکل خاموش کھڑا ہو گیا۔ اور دل ہی دل میں اپنے کیے پر نادم ہو رہا تھا۔ گرو جی نے یک دفعہ مجھ سے پھر وہی سوال کیا جس پر میں نے کہا کہ اگر وہ ان کتابوں کا غور سے مطالعہ فرمائیں تو واضح ہو جائے گا کہ ہم میں جس صداقت کی کمی ہے قابل مصنف نے ان تصنیفات میں اس کی تکمیل کر دی ہے جس سے ہمیں بہت کچھ فائدے کی امید ہو سکتی ہے۔ گرو جی کے روبرو ایسے جرات آمیز الفاظ کہنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ ایک عرصے سے میرے دل میں پھر سے نفرت، حقارت، اور بغاوت کے جذبات اپنے پورے جوش کے ساتھ موج زن تھے۔ اس روحانی تعلیم اور غلامی سے میں سخت عاجز آ گیا تھا۔ میری اس جرات کا سامی جی کے دل پر جو اثر ہوا وہ قابل بیان

نہیں۔ چنانچہ سر ہلاتے ہوئے گروجی نے کہا" اگر تمہارا خیال یہا ہی ہے تو ضرور پڑتا اور میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " یہ کہتے ہوئے انہوں نے کتابیں اپنے بستر کے نیچے رکھ دیں۔ اور خد بستر پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ ان کی اس حرکت سے صاف ظاہر تھا کہ میں ان لغویات میں پھنسنے نہ پاؤں۔

غالباً دمنی اپنے کمرے میں کھڑی ہماری پوری گفتگو سن رہی تھی چنانچہ اس نے باہر آ کر مجھ سے دریافت کیا "کہاں ہیں وہ کتابیں جن کی میں نے آپ سے فرمایش کی تھی"؟ کہوں مشکل نہ کہوں مشکل کے مصداق میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اسے جواب ہی نہ دیا جائے مگر گروجی نے خد اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹی ایسی کتابیں تمہارے مطالعے کے قابل نہیں"

"آپ کیا جانیں" دمنی نے سختی سے کہا۔

"کیا تم مجھ سے زیادہ واقف ہو" گروجی نے فرمایا۔

"اس میں کیا شک" دمنی نے کہا۔

"وہ کیسے" گروجی نے تعجب کے ساتھ دریافت کیا۔

"اس لیے کہ میں نے اس مصنف کی اور بھی کتابیں پڑھی ہیں۔"

"جب پہلے پڑھ چکی ہو تو پھر اسی مصنف کی اور کتابیں پڑھنے کی ضرورت ؟"

"آپ کو جب کسی قسم کی ضرورت ہو تو کسی شخص کی مجال نہیں کہ آپ کے معاملات میں مداخلت کر سکے۔ اور شاید ہماری گویا ضرورت تھا نہیں۔ جو ہر وقت جا و بے جا مداخلت کی جاتی ہے"!

"دمنی! دمنی" سامی جی نے جوش میں آکر کہا "تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک سنیاسی ہوں جس کو دنیوی خواہشات کی مطلق پروا نہیں"

"شاید آپ کو خیال نہیں رہا کہ میں کوئی سنیاسن تو نہیں۔ یہ کتابیں میری پسند کی ہیں۔ مہربانی فرما کر جلد میرے حوالے کر دیجیے"

یہ سنتے ہی نہایت خفگی کے ساتھ سامی جی نے کتابیں بستر کے نیچے سے نکال کر میرے حوالے کر دیں۔ اور میں نے اسی وقت دمنی کو دیدیں کتابیں لیتے ہی دمنی اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں گرو جی کے سامنے بیت نیا کھڑا تھا۔ وہ مجھ کو نہایت ہی غضب آلود نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

دمنی نے صرف کتابیں ہی منگوانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس سلسلے میں ایک اور بھی مصیبت میرے گلے باندی وہ یہ کہ ہر روز رات میں ان کو پڑھ کر سنانا تجویز کیا بلا بھی مجھے اپنے سر مول لینی پڑی۔ چنانچہ دالان والے حصے میں ہم دونوں کرسیوں پر بیٹھے رات کے ایک ایک دو دو بجے تک مطالعے میں مصروف رہتے اور اس عرصے میں ہمارے سامنے سے سنتیش کئی بار گذرتا تھا مگر بے بلائے اس کو ہمارے ساتھ شریک ہونے کی جرات نہ ہوتی تھی۔

ایک دن ہمارے مکان کے بازو والے مندر میں کسی تہوار کی تقریب میں زور شور کی پوجا تھی۔ گرو جی اپنے چیلوں کے ساتھ اس رسم میں شریک تھے۔ ہم نے سمجھ رکھا تھا کہ سنتیش بھی انہیں کے ساتھ ہوگا اس لیے ہم دونوں بڑی لاپروائی کے ساتھ عادت کے موافق مطالعے میں محو تھے۔ اس وقت میں ایک کتاب کا چھٹا

باب پڑھ رہا تھا۔ جو ایک نہایت ظرافت آمیز قصے پر مشتمل تھا۔ اس قصے کو سن کر دمنی کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ وہ اپنی ناقابلِ برداشت ہنسی کو کسی طرح نہیں روک سکتی تھی۔ اس دوران میں کسی نے دروازہ کھولا اور ساتھ ہی ستیش ہمارے سامنے تھا۔ ستیش کی اس اچانک آمد نے دمنی کا مذاق کرکرا کر دیا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ میں چاہتا تھا کہ ستیش سے کچھ کہوں۔ مگر زبان مجبور تھی۔ اس سوچ میں میں نہایت خاموشی کے ساتھ ورق پر ورق الٹ رہا تھا۔ دمنی غصے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ وہاں سے چلا جاؤں۔

غالباً رات کے واقعے سے متاثر ہو کر ستیش نے گروجی سے ایک ہفتے کی اجازت چاہی۔ تاکہ کسی دور دراز مقام پر جا کر سکون قلب کے ساتھ عبادت کر سکے۔ سامی جی نے اظہارِ خوشنودی کے ساتھ اس کو اجازت مرحمت فرمائی اس طرح تقریباً ایک ہفتے تک وہ ہم سے الگ رہا۔ ایک روز میں دالان کے حصے میں بیٹھا ہوا ایک خط لکھ رہا تھا کہ ایسے میں ستیش آ گیا۔ اور سیدھا دمنی کے کمرے پر پہنچ کر اس نے آواز دی۔

"دمنی! دمنی" "دروازہ کھولو" دمنی نے آواز کے سنتے ہی جلدی سے دروازہ کھولا۔ اور دیکھا کہ ستیش عجیب پریشان حالی کے ساتھ بت بنا کھڑا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا "دمنی چند روز قبل میں نے تمہیں چلا جانے کے لیے کہا تھا۔ بھگوان کے لیے میری خطا معاف کرو۔"

"آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔" دمنی نے تعجب کے ساتھ کہا۔

"نہیں میں تم سے وہی التجا کرتا ہوں کہ مجھ کو بھگوان کیلیے معاف کر دینا"
"میں خود گناہ گار ہوں۔ بھلا میری کیا مجال ہے"
"میری تم سے ایک اور استدعا ہے"
"فرمایئے"
"بھگوان کے لیے تم اپنی پچھلی حرکتوں سے باز آو اور اب سیدھا رستا اختیار کرو"
"ضرور" کہتے ہوئے دمنی ستیش کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی۔
"میں آیندہ سے ایسی حرکتیں نہ کروں گی"

(۵)

پھر سے ایک دفعہ پتھر موم ہو گیا یعنی وہی دمنی جو گرو جی اور ان کے چیلوں کو بری اور حقارت کی نظروں سے دیکھتی تھی۔ اور وہی دمنی جو بات بات پر گرو جی کا مضحکا اڑایا کرتی تھی۔ اور ان کی پوجا پاٹ اور عبادت میں ہمیشا مخل ہوتی تھی۔ اور وہی عورت جو خواہشات نفسانی کا شکار بن کر ہر گھڑی اور ہر لحظا اس بات کی فکر میں رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح صفحہ ہستی سے اس بوڑھے گرو کا منھ کالا ہو جاے اور وہی بری بد فطرت، شوخ و چنچل، بے شرم و بے حیا نڈر اور ضدی عورت گرو اور اس کے چیلوں کو برا بھلا کہتی تھی۔ انہیں لوگوں کے قدم چومنے لگی اور پوجا پاٹ کی پابندی اور مذہبی فرایض کی ادائی میں مستعد اور گرو جی کی بڑی قدر داں اور مداح بن گئی۔ اس کے جذبات اور خیالات میں زمین آسمان کا فرق آگیا۔ جوش اور غصا نام کو نہ رہا۔ خیالات میں پاکیزگی اور چہرے پر ایک

خاص رونق پیدا ہوگئی۔ وہی طرار اور چالاک ہنی کم سخن اور گریہ مسکین بن گئی۔ اس کی ہر بات اور ہر ادا میں سرتا پا سادگی ہی سادگی جھلکتی تھی اس کے اخلاق، عادات واطوار اور چال چلن میں غیر معمولی تغیر پیدا ہوگیا تھا۔ اس کو دنیا اور دنیوی خواہشات سے مطلق دلچسپی باقی نہیں رہی تھی اب وہ کپڑے بلکل سادے اور معمولی پہنتی تھی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ بڑی خوبی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ اب وہ اپنے مرشد کی خدمت بجالانے میں بڑی مستعد بن گئی تھی۔ صبح سے شام تک اس دھن میں لگی رہتی تھی کہ جس قدر بھی ممکن ہو گروجی کی دل کھول کر خدمت کرے اور بڑے مزے کی بات تو یہ تھی کہ وہی دمنی جس نے بار بار سنیش کو جھڑک دیا تھا اور جس کو ہمیشہ سنیش کی صورت سے نفرت رہا کرتی تھی۔ اب وہی عورت اس کی ہم مشرب ہم پیالہ ہم نوالہ اور ہم کام بن گئی۔ اب اس کو سنیش کے ساتھ ایک خاص ہمدردی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ سنیش کے ہر کام میں ہاتھ بٹاتی اور ہمیشہ اس سے خندہ پیشانی سے ملتی جلتی تھی۔

جب کبھی گروجی سنیش کو کچھ کام کا حکم فرماتے تو فوراً دمنی اس کے پورا کرنے کے لیے تیار ہو جاتی۔ سنیش کے ساتھ پہروں بات چیت اور تبادلہ خیال ہوتا تھا۔

ادھر دمنی کی وہ حالت تھی۔ اور ادھر میرا یہ عالم تھا کہ میں دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ بار بار خیال کرتا کہ ہائے افسوس ایسی سخت گیر اور آزاد خیال عورت آن کی آن میں کیا سے کیا ہوگئی۔ اس کے ساتھ دن رات اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے اور بات چیت کی صحبتوں کا

تو جب کبھی خیال آتا تو میری آنکھوں میں دنیا بلکل تاریک سی دکھائی دیتی تھی۔ مجھ کو کسی چیز میں لطف نہ آتا تھا۔ گھنٹوں ادھر ادھر چکر میں لگا تا اور نہایت اضطراب اور بے چینی کے ساتھ اپنا عزیز وقت گزار رہا تھا۔ اس کی شیریں سخنی اور دل ربا اداوں کا جب کبھی آنکھوں میں سماں پھر جاتا تو میرے زخمی جگر سے ایک تیز اور زہریلا تیر چبتا ہوا پار ہو جاتا تھا۔ اور دل شکن اور دماغ کو پریشان کرنے والے خیالات سے تنگ آکر میں نے تہیا کر لیا تھا کہ پھر سے اپنا پہلا سا طریق اور طرز عمل اختیار کر لیا جاے۔ چنانچہ میں بھی گرو جی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی خدمت اور مذہبی فرائض سے انجام دینے میں مصروف ہو گیا۔

(۶)

ایک دن میں اور سینتش بیٹھے بلکل فلسفیانا انداز میں کسی خاص موضوع پر بحث کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں دمنی کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی اس نے چلا کر کہا "ارے آوا دھر دوڑو، جلد آو تم دونوں یہاں تو آو" ہم دونوں اس طرف دوڑے ہوے گئے۔ چلتے چلتے میں نے پکار کر دریافت کیا کہ ماجرا کیا ہے۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے کہا "نبن کی بیوی نے زہر کھا لیا ہے" نبن بھی ہمارے گرو کا ایک چیلا تھا۔ اس کی بیوی ماں باپ کے گھر سے واپس ہوتے وقت اپنی چھوٹی بہن کو بھی ساتھ لیتی آئی تھی۔ اس لئے کہ وہاں اس لڑکی کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ یہ لڑکی بڑی ہی تنابل، اور نہایت

حسین جمیل اور خوب صورت بھی تھی۔ زین کے ایک بھائی بھی تھا۔ یہ لڑکا کالج میں زیر تعلیم تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں جب وہ گھر آیا تو اس جوان لڑکی کو دیکھ کر اس کا فریفتہ اور دیوانہ بن گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے خیالات اپنی بھاوج پر بھی ظاہر ہو گئے۔ زین کی بیوی خوش ہو گئی کہ اپنی یتیم و لیسیر بہن کو ایک تعلیم یافتہ شوہر مل گیا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی طرح ان دونوں کی شادی جلد سے جلد ہو جائے۔ اس صورت میں خدا اس کو ایک طرح کی خلاصی ملتی تھی۔ صلاح مشورے کے بعد شادی طے پا گئی۔ مگر شرط یہ ٹھہری کہ لڑکا آیندہ سال جب اپنا امتحان دے کر آئے تو اس وقت باضابطہ رسم منائی جائے۔ اس رشتے اور تعلق پر زین کی بیوی پھولے نہ سماتی تھی اس لیے کہ لڑکا ہشیار تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ شریف کم سخن اور نیک نفس نیز محتاط تھا۔ اور یہ کہ ہم ذات اور عالی خاندان تھا۔ چھٹیوں کے دن گزرنے کے بعد زین کا بھائی پھر سے کالج چلا گیا۔ اس عرصے میں زین کی نیت بدل گئی اور اس نے اپنی سالی ہی پر ہاتھ صاف کر دیا۔ چنانچہ اس راز کے معلوم ہوتے ہی پورا قصا سننے کے بعد ہم تینوں گرو جی کی خدمت میں گئے۔ اور اوپر کی تفصیل کہہ سنائی۔ اس واقعے کا گرو جی نے بہت اثر لیا۔

اسی روز رات میں جب کہ چاند اپنی پوری چمک دکھا رہا تھا دمنی ایک درخت کے سائے میں فکر میں ڈوبی بیٹھی ہوئی تھی اور ہیبت شش دالان کے حصے میں اپنے جینی کے ساتھ بہت ہی تیز تیز ٹہل رہا تھا۔ میں اپنے کمرے میں دروازہ کھلا رکھ کر

کچھ لکھنے میں مشغول تھا۔ اسی اثنا میں نے دیکھا کہ سینتش ٹہلتا ہوا دمنی کی طرف گیا۔ وہ تعظیماً اٹھ گئی اور سینتش اس سے اس طرح مخاطب ہوا "دمنی" یہ سن کر دمنی وہاں سے آگے بڑھ گئی لیکن سینتش نے دوبارہ آواز دی۔

"دمنی، دمنی!" اس نے پلٹ کر سوال کیا۔

"کیا میں آپ سے کچھ دریافت کر سکتی ہوں!" سینتش بغیر کسی جواب کے خاموش کھڑا رہا۔ لیکن اس کی نظریں دمنی ہی پر جمی ہوئی تھیں۔ دمنی نے کہا "کیا آپ مجھکو دنیا کی کچھ حقیقت اور اصلیت سے واقف کرا سکتے ہیں۔ آخر ہم نے کس کے ساتھ بھلائی کی، اور اب تک کتنے انسانوں کی جان بچانے کی کوشش کی ہے" اس اثنا میں میں بھی اپنے کمرے سے نکل کر دالان کے حصے میں آگیا تھا۔ دمنی نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جذبات، جذبات، جذبات جن کا تم اب تک ذکر کرتے تھے دیکھ لیا ان جذبات نے آخر کیا رنگ لایا، جذبات کے بندوں کو مذہب ہی کی ضرورت ہے اور نہ کسی کی خدمت اور چاپلوسی کی، ماں باپ، بھائی بہن ہی کی حاجت ہے، اور نہ میاں بیوی کے رشتے کی امکان ہی کی ضرورت ہے اور نہ قیام کی، رحم، انصاف، اعتماد ہمدردی، پاک دامنی، حیا، عفت، عصمت یا بے حیائی اور بے شرمی وغیرہ کسی چیز سے بھی ان کا تعلق نہیں۔ آخر تم نے اب تک انسانوں کو ان بے حیا، ظالم اور برے دوزخی جذبات سے بچانے کی کوئی تدبیر بھی کی ہے!"

"دمنی کی اس لمبی چوڑی تقریر کو سن کر مجھ سے کسی طرح نہ رہا گیا میں نے وہیں سے چلا کر کہا، ہاں ہم نے اس سے نجات پانے کا ایک سا ان ذریعہ دریافت کر لیا ہے وہ یہ کہ عورت ذات سے بچے رہ کر چین آرام کی زندگی بسر کریں۔

دمنی نے میرے کہنے کا مطلق اثر نہ لیا اور پھر سے اس نے تیش سے کہا" آپ کے گروجی سے میں نے اب تک کچھ بھی فیض حاصل نہیں کیا ہے۔ اتنے عرصے میں ایک بھی دفعا میرے تکلیف اٹھائے ہوئے اور بے چین دل کو ان کی تعلیم اور ان کے خلوص سے ذرا برابر بھی سکون خاطر نصیب نہ ہوا۔ اس کی مثال میرے خیال میں بالکل ایسی ہی ہے جیسے آگ کا آگ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے گروجی کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے نہ صرف گروجی بلکے اس زمرے میں ہم تم سب ہی شامل ہیں۔ وہ اپنے مریدوں کو جس قسم کی تعلیم دے رہے ہیں اور جو رستا بنایا جاتا ہے میرے خیال میں غلطی پر مبنی ہے۔ اس طریقہ تعلیم سے ہم لوگ جرات مستقل مزاجی اور نہ سکون حاصل کر سکتے ہیں۔ آج ہی جس عورت نے انتقال کیا حقیقت میں اس کے جذبات ہی نے اس کا خاتما کیا۔ کیا تم نے اس وقت اس کی ڈراونی صورت پر غور نہیں کیا؟ ان حالات کے تحت میری التجا ہے کہ آپ مجھے مجبور نہ کریں ورنا بہت ممکن ہے کہ میں ایک نہ ایک دن اس قسم کی نغویت کا شکار بن جاؤں۔

برائے خدا مجھے اس بلا سے بچایئے اور آپ سے میں سچ کہتی ہوں کہ اس دنیا میں اگر مجھے کوئی شخص بچا سکتا ہے تو وہ صرف آپ

آپ ہی کی ذات ہے۔"

میں خاموش کھڑا اس تقریر کو سن رہا تھا۔ اور ستیش پر دوران تقریر میں ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ جب دمنی نے اپنا خطبا ختم کیا تو ہم تینوں کچھ دیر کے لیے مبہوت سے بلکل ساکت اور خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ ہم میں کسی قسم کا حس تک باقی نہیں تھا۔ رات کے پکارنے والے کیڑوں کی آواز تک ہمارے کانوں پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ اسی بے حسی اور خاموشی کے عالم میں تھوڑی دیر تک کھڑے رہنے کے بعد ستیش نے دمنی سے کہا۔

"اچھا اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا اصلی مقصد کیا ہے میں تمہاری کیا امداد کر سکتا ہوں ؟"

"آپ میرے گرو بن جائیں پھر میں کبھی کسی کی پیروی نہ کروں گی۔ صرف آپ کی مہربانی درکار ہے یہ ایک ایسا نیک کام ہے جو تمہاری تمام ریاضتوں اور کوششوں سے کہیں بہتر اور بڑا چڑھا ہوگا۔ اللہ کے واسطے تم مجھے اپنے ننگ و ناموس اور زندگی کے قایم رکھنے میں مدد دو۔ اے خدا مجھے اپنی تباہی کا موقع نہ دینا۔ میرے جذبات، جذبات، جذبات کا ۔ ۔ ۔ ۔ خیال رکھنا۔"

ستیش نے کہا بہت خوب اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو بسم اللہ"

یہ سنتے ہی دمنی اس کے قدموں پر گر پڑی اور کچھ عرصے تک اسی حالت میں پڑی رہی۔ اس نے آہستا سے سر اٹھا کر عاجزانا انداز میں کہا" میرے مالک، میرے آقا مجکو یعنی اس گناہ گار کو آپ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔"

باب (۳۱) دہنی

پھر سے ایک دفعہ ہماری زندگی میں ایک غیر معمولی تغیر پید... اخبارات میں شور مچ گیا کہ سنتیش پھر سے مذہبی باغی ہو گیا ہے ... لیے کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ سنتیش مذہب کا جانی دشمن اور پکا ... تھا۔ مگر اس کی طبیعت میں ایک تغیر پیدا ہو گیا۔ یعنی وہی مذہب پر لعنت بھیجنے والا شخص کٹر مذہبی بن گیا۔ مگر آخر میں ایک دور ایسا بھی آگیا کہ آپ ہی بدلی ہوئی ہستی پیارے رستے پر آگئی۔ یعنی سنتیش ایک سمجھ دار اور اعتدال پسند آدمی بن گیا۔ اب وہ دہریا ہی ہے اور نہ کٹر مذہبی بلکہ ایک ہمدرد اور آزاد خیال شخص اس کے علاوہ اخبارات نے دہنی کے ساتھ میری شادی کی بھی اور دھوم مچا رکھی تھی اس سے فائدہ ...! یہ ایک ایسا راز ہے جو کسی پر کھلا اور نہ کبھی کھل سکے گا۔



چوتھا باب

سری ویلاس

چوتھا باب

سری ویلاس

(۱)

ممی کے ساتھ میری شادی کا راز بلکل ایک معما تھا سب حیران تھے کہ ہم دونوں کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔ مجھ کو ہر طرح سے پریشان کیا گیا کہ میں ممی کے ساتھ اپنے تعلقات کا راز کھول دوں چونکے میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔اس لیے میں نے اس کو ایک عقدے ہی کی شکل میں رکھنا مناسب سمجھا اگر میں کہہ بھی دیتا تو کسی کو کیا معلوم ہو سکتا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ کس لیے شادی کی۔ آخر وہ کون سے جذبے تھے جنہوں نے مجھ کو اس بات پر آمادہ کیا تھا۔گروجی کے اور مریدوں کی طرح میں بھی ایک یکا مذہبی اور ان کا خاص معتقد تھا۔پس ایک ایسے فرض شناس انسان کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ بغیر کسی خاص غرض کے ایک مرتد عورت سے شادی کر لے۔

ممی کی ظاہرداریوں اور اس کے سخت سست جوابوں کو سن کر عوام کو ایک مغالطہ ہو گیا تھا کہ وہ بڑی بدچلن عورت ہے لیکن کسی نے اس کی اصلی زندگی کا نہایت مطالعہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر کسی پر یہ راز کھل سکا تو وہ صرف میں ہی ہوں میں نے اس سے شادی اس لیے نہیں کی کہ محض اپنی نفسانی خواہشوں کو پورا کروں بلکے علائق دنیوی سے بچ کر ایک سکون اور آرام کی کامیاب زندگی

! کروں۔ دمنی پر لوگ یہ بھی تہمت باندتے ہیں کہ خدا اس نے مجھے شادی کے لیے بہکایا گویا اس نے بے حیائی سے کام لیا۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ یہ الزام سراسر غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ خود میں نے اس کو اس بات پر مجبور کیا تھا۔

(۲)

جرات سے کام لے کر میں نے دمنی سے شادی تو کر لی۔ لیکن اب ہمارا گروجی کے پاس رہنا ناممکن ہو گیا اس لیے میں نے ستیش کو یہ رائے دی کہ اب ہمیں کہیں اور چل کر رہنا چاہیے۔ ستیش نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ لیکن فکر یہ پیدا ہوئی کہ جائیں تو کہاں جائیں۔ کون ہماری مدد کرے گا۔ اور کس کو ہم سے دلی ہمدردی پیدا ہوگی۔ ہم اس بات سے نہیں ڈر رہے تھے کہ فاقے کرنے پڑیں گے بلکہ خوف تھا تو اپنی رسوائی کا۔

بہرحال ہم یہاں سے چل پڑے اور گروجی کے ایک مرید کے گھر جا کر قیام کیا چونکہ شروع ہی سے ہم لوگ مفت میں پیٹ پالنے اور غیروں کے در پر پڑے رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے ہمارے لیے اب یہ ناممکن تھا کہ اپنے خرچ سے ایک مکان تیار کرائیں یا کم سے کم کرائے پر لیں۔ حق تو یہ ہے اگر ایسا کرتے بھی تو ہم میں اتنا دم خم کہاں تھا۔ ہماری زندگی کا اصلی مقصد تو یہ بن گیا تھا کہ ہمیشہ ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا کریں۔ یعنی گروجی کے چیلے بن کر پیٹ بھر اچھی اچھی غذائیں کھائیں اور عیش آرام کی زندگی بسر کریں اگرچہ گرو اور ان کے چیلوں میں رہ کر میں نے بھی سب کے رنگ

میں رنگ ملایا تھا۔ مگر میرے احساسات دوسروں کی طرح سرد ہونے نہیں پاتے تھے۔ یہ احساس میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا۔ میری غیرت ہمیشہ اس بات کی تلاش میں رہتی تھی کہ ایسی بھکاری پن کی زندگی سے باز آؤں۔ خدا اپنے بل بوتے پر کما کر اپنا آپ کھاؤں مگر محبت بھی کیا بری بلا ہے یہ خیال میرے دل میں ہر روز گذرتا اور ہر وقت میں اس بات کا پکا ارادہ کر لیتا تھا کہ کل ہی سے اس پر عمل کروں گا۔ لیکن افسوس یہ منحوس کل کا سلسلہ کبھی ٹوٹنے ہی نہ پاتا۔

میں سنتیش کے دلی خیالات اور اس کے حقیقی جذبات سے بلکل ناواقف تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اس کو میری رائے سے اتفاق تھا۔ اس بارے میں کسی قدر شبہ تھا اور وہ اس لیے کہ سنتیش کا طرز روش ہم دونوں سے بلکل الگ تھا۔ اس سے کوئی شخص دریافت کر سکتا تھا اور نہ خود ہی وہ اپنے حالات کسی پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

آخر کار اس دفعہ میرے ضمیر نے مجھ کو یہ ایسی غیرت دلائی کہ میں اس آوارہ گردی کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا۔ ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ کیا کیا جائے جائیں تو کہاں جائیں۔ اگر کوئی مکان بنوائیں خریدیں یا کم سے کم کرائے پر بھی لیں تو روپے کہاں سے لائیں۔ جوئندہ یابندہ کے مصداق ایک روز بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ چچا جگ موہن نے مرتے وقت اپنی جائیداد سنتیش کے نام وصیت کی تھی۔ لہٰذا اب ہمیں کسی قسم کی فکر وغیرہ

کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے جاکر اپنے ہی گھر کو آباد کریں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ وصیت نامہ ستیش کے ساتھ نہیں تھا۔ ورنہ وہ مذہب کے گہرے اثر سے یہ خیال کر کے کہ ایک دہریے کی جائیداد کا استعمال بھی ناجائز ہے وصیت نامے کو پھاڑ کر پھینک دیتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ وصیت نامہ میرے ہی قبضے میں تھا۔ ایسا لیے کہ مرحوم چچا جگ موہن ستیش کے لا ابالی پن سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ کوئی چیز ستیش کے قبضے میں نہیں رہ سکتی۔ اسی خیال کے تحت انہوں نے وصیت نامہ میرے حوالے کیا تھا جگ موہن کے انتقال کے بعد جب ہم نے گروجی کی صحبت میں زندگی بسر کرنی شروع کی تو ہم کو دنیا کی کسی چیز کی ہوس باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اب جیسے ضرورت لاحق ہوئی تو میرے دل میں خود بخود اس وصیت نامے کا خیال گذرا اس خیال کے دل میں آتے ہی میری تمام ناامیدیاں اور مایوسیاں ایک غیر معین خوشی کی شکل میں بدل گئیں۔ اور میرے جسم میں مسرت کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں اب مارے خوشی کے پھولوں نہیں سما رہا تھا۔ اگرچہ اس مکان کا پورا حصہ ہمارے قبضے میں نہیں آتا تھا۔ اس لیے کہ چچا جگ موہن نے اس وصیت نامے میں چند شرطیں بھی لکھ دی تھیں جن پر عمل کرنا ہمارا پہلا فرض تھا۔

سب سے اول یہ کہ اس مکان میں کسی قسم کے مذہبی رسوم اور عبادت وغیرہ نہ ہونی چاہیے دوسرے یہ کہ مکان کا نچلا حصہ ہمسایہ مسلمان چرم فروشوں کی اولاد کے لیے بطور درس گاہ وقف

کر دیا جائے اور آخری شرط یہ تھی کہ ستیش کے بعد پوری جائیداد انہیں چرم فروشوں کے حق میں وقف کر دی جائے۔

عبادت ہی ایک ایسی چیز تھی جس سے جگ موہن کو سخت نفرت تھی۔ ان کے مذہب میں عبادت کا کوئی مفہوم ہی نہیں تھا۔ دنیا کے تمام فریبوں میں ان کے نزدیک عبادت ہی سب سے پہلا اور بڑا دھوکا تھا۔ ان کے بھائی کے گھر میں جو مذہبی رسوم ادا ہوتے یا عبادت ہوتی تھی اس سے جگ موہن کو بہت بڑا صدمہ پہنچتا تھا نہ صرف صدمہ بلکہ ان کی روح کو سخت ترین تکلیف پہنچتی تھی۔ لہٰذا ایسے دہریے کے لیے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ خدا اپنے ہی مکان میں کسی کو عبادت کی اجازت دیتا۔

اوپر کی شرطوں پر عمل کرنے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ حصہ اس مکان میں ہمارے رہنے کے لیے نکل آتا تھا۔ اس لیے ہماری وہ تمام فکریں دور ہو گئیں کہ ہم کسی کے دست نگر یا محتاج نہیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم کسی کے ممنون احسان بننے سے بچ گئے ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں نے ستیش سے کہا۔ "ستیش میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے لو اب ہماری سب مشکلیں حل ہو گئیں۔ چچا مرحوم نے جو مکان تمہارے نام رکھ چھوڑا ہے وہیں چل کر کیوں نہ رہیں۔"

یہ سن کر ستیش نے روکھے پن سے جواب دیا۔ "معاف فرمایئے میں اس مکان میں نہیں رہوں گا۔" میں پریشان تھا کہ ستیش یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر اس نے کہا "تم جانتے

ہو کہ ایک زمانا وہ بھی تھا جب کہ میں دنیا کو ایک اصولی دنیا سمجھ کر نہایت سختی کے ساتھ اس کے اصولوں پر کاربند تھا۔ جس سے میرا یہ مقصد تھا کہ مجھ پر دنیا کی حقیقت اور انسانی زندگی کا راز منکشف ہو جائے اس کے بعد ایک دور ایسا بھی آیا کہ میرا پورا پورا اعتقاد جذبات انسانی کی نذر ہو گیا۔ اور ایک لمبے عرصے تک میں نے اپنی اوقات انہیں فضولیات میں خراب کی۔ اس میں کسی کا کیا قصور! یہ چیزیں خود میرے ہی تخیلات کا نتیجا تھیں۔ آخر کار مجھ کو معلوم ہو گیا کہ انسان کسی ایک خاص چیز پر کسی طرح بھی بھروسا نہیں کر سکتا ہے۔ میں اس وقت تمہارے ساتھ نہ آؤں گا۔ جب تک میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو جاؤں" سنتیش نے کہا۔

ہمارے متعلق آپ کا کیا خیال ہے میں نے اس سے دریافت کیا

"آپ دونوں" سنتیش نے ہم کو بتاتے ہوئے کہا" اس مکان میں جا کر رہ جائیں۔ میں تنہائی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے اب کچھ کچھ حقیقت کی جھلکیاں نظر آ رہی ہیں۔ اگر اس وقت میں ذرا سی بھی غفلت سے کام لوں تو میری یہ تمام کوششیں خاک میں مل جائیں گی"

سنتیش کے جانے کے بعد میں اور دمنی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ دوران گفتگو میں دمنی نے مجھ سے کہا۔

"ایسا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم سنتیش کو اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں۔ اگر وہ بیمار ہو گا تو اس کی دیکھ بھال کون کرے گا"

"کیا تم بھول گئے کہ پچھلی دفعا بھی اس نے اسی مقصد سے شہر

کو خیر باد کہا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد کس پریشان حالی کے ساتھ واپس آ گیا۔ مجھے جب کبھی اس وقت کا نقشہ یاد آ جاتا ہے تو میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چاہے آپ کچھ بھی کہیں میں تو اس کو ہرگز اجازت نہ دوں گی۔"

دمنی کے مونھ سے یہ الفاظ سن کر میں حیران رہ گیا۔ میرے دل میں رشک وحسد کی آگ بھڑک گئی۔ میں تعجب کر رہا تھا کہ دمنی کے دماغ میں یکایک یہ تغیر کیوں پیدا ہو گیا۔ اس کو شنتنو سے ہمدردی کی وجہ؟ اس سے قبل چاچا جگ موہن کے انتقال کے بعد بھی سنتنش نے پورے دو سال تک صحرا نوردی کی تھی۔ کیا اس کو اس وقت مصائب جھیلنے نہیں پڑے تھے؟

میں اس راز کو اپنے دل میں چھپائے نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ رقیبانہ انداز میں میں نے دمنی سے اس بارے میں کہا جس کا اس نے نہایت ہی متانت کے ساتھ جواب دیا کہ:۔

"سری ویاس بابو! آپ سچ فرماتے ہیں تکالیف کے بعد بھی انسان کو مرنے کے لیے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ اس کو تکلیفوں کا شکار ہی کیوں بننے دیا جائے جب تک ہم دونوں زندہ ہیں کیا یہ ہمارا اخلاقی فرض نہیں ہے کہ ہم سنتنش کو ممکن آرام پہنچانے کی کوشش کریں؟" ہم دونوں:

میں نے حیرت سے کہا۔ گویا دوسرے سے مراد یہی بدبخت سری ویاس ہے۔ خیر کیا مضائقہ۔ یہ تو دنیا کا دستور ہی ہے کہ دوسروں کی اولاد دیر، غد کو مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ دیر غور

کرنے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ واقعی دنیا کی جملا آبادی دو طبقوں میں منقسم کی جا سکتی ہے۔ ایک طبقا نیک افراد کا اور دوسرا ظالموں کا اگرچہ میں اس قابل نہیں کہ اپنے آپ کو نیکوں میں شمار کروں۔ لیکن دمنی کے موثر الفاظ نے مجھ کو ایسا ہی سمجھنے پر مجبور کیا۔ اور وہ خد بھی اپنے آپ کو فطرتاً نیک سیرت تصور کرتی تھی۔ اس خیال کے گذرتے ہی رشک و حسد کی آگ ہمدردانا خیالات میں تبدیل ہو گئی چنانچہ اس واقعے کے بعد میں نے ستیش سے کہا۔ سنو ستیش! ہم نے بھی اپنا ارادا بدل دیا ہے۔ ہم بھی کچھ عرصے تک دریا کے کنارے والے مکان میں آپ ہی کے ساتھ رہیں گے۔ اس مکان کے متعلق کئی ایک شیطانی روایات مشہور ہیں لیکن آپ کی خاطر ہم اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتے۔ اس مکان میں رہنے سے آپ کو بڑا سکون اور اطمینان حاصل ہو گا۔ اس لیے کہ مکان کی حالت سن کر لوگ آپ کے پاس آنے سے احتراز کریں گے۔ اس لیے کہ عام طور پر لوگ شیطان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"مگر آپ دونوں کیسے بچ سکیں گے" ستیش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم! ہم خد شیطان بن جائیں گے۔ آپ اس کی فکر نہ کیجیے۔"

یہ سن کر ستیش نے دمنی پر ایک نظر دوڑائی۔ دمنی کے چہرے سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ شیطان والے مکان نے اس کے دل میں وسوسا پیدا کر دیا ہے۔ ستیش کے آتے ہی دمنی نے اس کے دونوں ہات پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو اپنا گرو مانتی ہوں۔ آپ میری پچھلی خطاؤں کو

معاف کر دیجیے۔ اب مجھے اپنی خدمت کا موقع دیجیے۔ میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی، چلوں گی، چلوں گی اور آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی

(۴)

ستیش کا یہ نظریہ میری سمجھ سے باہر تھا تاہم اس کی ناصحانا گفتگو کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ ایک زمانا وہ بھی تھا جب میں اس قسم کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا لیکن اب ستیش کے وعظ نے میرے مذاق کو تردد کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب کہیں مجھ پر حقیقت حال منکشف ہوئی کہ واقعی ستیش نے جو رستا اختیار کیا ہے وہ ایک حقیقت نما چیز ہے اس میں کسی قسم کے دھوکے کا خطرا نہیں۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ سچے عشق کی تاثیر نے ستیش کے خیالات اور اس کی روز مرہ کی زندگی میں کس درجا تغیر پیدا کر دیا ہے تو میں بھی مرحوم چچا کی نصیحتوں کو بالاے طاق رکھ کر اس کا ہم نوا بن گیا۔ ہمیں ہربرٹ اسپنسر کے فلسفیانا نظریہ حیات و ممات پر غور کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا ہمارے لیے ستیش کی مثال کافی نہیں کہ وہ حقایق سے متاثر ہو کر عالم بالا کے وجود کا کافی ثبوت پیش کر رہا ہے۔

اس وقت ستیش کی زندگی میں ایک نیا انقلاب برپا ہو گیا اور اس کے خیالات میں ایک غیر معمولی ہیجان پیدا ہو گیا تھا۔ میرے خیال میں ستیش کی مذہبی زندگی کا پہلا ہی دور زیادہ مناسب اور آرام دہ تھا۔ جب کہ وہ گروجی کی خدمت میں مصروف اور دن رات بھجن گاتا اور بھگوان کی یاد میں مشغول رہتا تھا۔ اب اس کا ضمیر کسی کی غلامی کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی گرو کا

چھیلا بن کر زندگی کے دن کاٹے اس کو حق و صداقت اور معرفت الٰہی کے سچے جذبات نے حق کی چھان بین میں رہنا یا غرق کو دیا تھا اس کے نورانی چہرے پر کچھ ایسا رعب چھا گیا تھا کہ ہمیں آنکھ میں آنکھ ملاتے ڈر ہوتا تھا۔

سنتیش کا یہ جواب سن کر میں کسی طرح خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا کیا یہ زیادہ مناسب نہیں کہ تم کسی اچھے پیر طریقت کو تلاش کرو جو تمہاری مہم کے کامیاب بنانے میں کافی مدد دے سکے سنتیش کو یہ بات ناگوار گذری اور اس نے بہ آواز بلند کہا۔

"میری مدد! میرے نادان دوست! خدا کے لیے آپ اس معاملے میں مجھے کسی قسم کی رائے نہ دیں۔ آپ بالکل خاموش رہیں۔ ان معاملات کو آپ ابھی نہیں سمجھ سکتے کسی کی کیا مجال کہ اس چیز کو آسان بنا دے جو خیالی پلاؤ پکانا اور چیز ہے اور کسی چیز کی حقیقت کو پہچاننا کچھ اور ہے۔ بھائی میاں ان دونوں میں زمین آسمان کا بل ہے۔ پہلی چیز جس قدر آسان ہے دوسری اسی قدر مشکل۔ یقین جانو میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں صداقت پر مبنی ہے۔"

اس کے جواب میں میں نے اس سے کہا۔ بھائی صاحب ذرا آپ ہی غور کیجیے کہ اگر آپ کو کوئی سچا رہنما جس سے میرا مطلب گرو وغیرہ ہے مل جائے تو آپ کو اپنے ارادوں میں بہت جلد کامیابی ہو سکتی ہے شاید آپ تمام عمر بھی نہ سمجھ سکیں گے۔ سنتیش نے مجھ سے کہا کیا میں کسی جغرافیائی حقیقت کی تلاش میں ہوں جو کوئی شخص مجھے سمجھا دے گا میں جس چیز کی جستجو میں ہوں آپ سمجھ جائیے کہ اگر میرا طرز عمل

ٹھیک ہے تو وہ چیز خدا بذاتِ خود درد مند دل کے پاس جاتی ہے اور یہ یاد رکھیے کہ گرو وہ مُرشد کا بتایا ہوا رستہ ہمیں صرف گرو ہی کے دروازے تک پہنچا سکتا ہے۔"

ستیش کی زبان سے ہر وقت نئے نئے خیالات سن کر سخت تعجب ہوتا تھا کہ وہی شخص جو چند روز پہلے کچھ کہتا تھا۔ آج اپنے نظریے کی تردید میں کہہ رہا ہے کبھی خدا کے وجود سے انکار کرتا اور کبھی مرشدوں کے پاوں دابنے بیٹھ جاتا۔ بہرحال اس کی زندگی کا راز معلوم کرنا اور اس کے ٹھیک ٹھیک خیالات کا پتا چلانا خدا کو حاصل کر لینے سے کہیں زیادہ دشوار کام تھا۔ یوں بھی کسی زمانے میں مرحوم چچا جگ موہن کا چہیتا تھا۔ مرحوم یہ کبھی گوارا نہ کرتے تھے کہ ان کے روبرو "اچاریا" یا سالک کے الفاظ نکالے جائیں۔ وہی ہستی ستیش کے فیضِ صحبت سے مرشدوں کی غلامی کر رہی ہے۔ اور سوامی جی کے پاوں دابنے کو ایک قسم کی سعادت تصور کرتی ہے

میرے دوست کی حالت بالکل پارے کی طرح تھی جس کو کبھی قیام ہی نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے خیالات میں تغیر کا ایک لامتناہی سیلاب تھا پہلے کچھ بیان کرتا اور تھوڑی دیر بعد خود اس خیال کی تردید کر دیتا اس صحبت کے اثر نے مجھ کو ایک دہریے سے پکا مذہبی بنا دیا۔ اور اب پھر اسی کے خیالات کی بنا پر میرا عقیدہ ابھی متزلزل ہو رہا تھا میں چاہتا تھا کہ اس سے کچھ کہوں۔ لیکن وہ اپنے آپ میں کچھ ایسا غرق تھا کہ آپے سے باہر ہو گیا تھا اس لیے اس وقت کچھ کہنا میں نے مناسب نہیں سمجھا اور کچھ سوچ رہا تھا کہ یکایک اس نے کہا

"اب میری سمجھ میں آگیا" اس کے بعد سر جھکا کر کچھ دیر تک غور کرتا رہا۔ اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا۔

"آخر ہماری مذہبی کتابوں میں کس لیے لکھا ہے کہ اپنے دھرم میں مرنا کہیں زیادہ بہتر ہے بہ نسبت دوسروں کی غلامی کے ذریعے کچھ دھرم پیدا کر کے مرنے سے۔ دنیا میں ہر چیز تحفے کی شکل میں دی جا سکتی ہے۔ لیکن دھرم کسی کی ملک نہیں۔ جو عطا ہو سکے۔ اس قسم کی بخشش نجات کا وسیلہ بننے کی بجائے عذاب کا ذریعہ بنتی ہے۔ میں اپنے خدا کو کسی شخص سے بطور بھیک نہیں مانگ سکتا۔ اگر میں اس کو پا سکتا ہوں تو صرف اپنی ذاتی کوشش سے، ورنہ اس کا حاصل کرنا نہ کرنا مساوی ہے۔"

میں چونکہ فطرتاً معترض واقع ہوا تھا۔ اس لیے ستیش کی تقریر سن کر خاموش رہنا میری عادت کے خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے اس سے کہا۔ "آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ سنیے! جو شخص فطری طور پر شاعر ہوتا ہے اس کے ذہن میں اشعار خود بخود چلے آتے ہیں۔ لیکن جو شخص فطری شاعر نہیں اس کو شاعر بننے کے لیے دوسرے کی مدد درکار ہوتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس بارے میں اس کے کیا خیالات ہیں۔

"بالکل غلط" ستیش نے بہ آواز بلند کہا "چاہے تو ہر شخص شاعر بن سکتا ہے تم اچھی طرح واقف ہو کہ میں پیدائشی شاعر نہیں۔ لیکن یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ چاہوں تو میں بھی کوشش کے ذریعے شاعر بن سکتا ہوں یہ کوئی غیر ممکن چیز نہیں۔"

اس طویل بحث کے بعد میں واپس چلا گیا۔

سنتیش کو کھانے پینے کی تک پروا نہ تھی۔ اس کے کھانے کا کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا۔ جس وقت مل جائے کھا لیتا۔ اور نہیں تو بغیر کھائے پیئے بھی گذار دیتا تھا۔ اس لیے اس کی حالت بہت ردی ہو گئی تھی۔ وہ کئی کئی دن تک مکان سے غائب رہ کر جنگل بیابان میں ریاضت کی خاطر رہ جاتا تھا۔ اس کے اصلی حالات سے کسی کو واقفیت نہیں ہوتی تھی۔ اگر کسی کو کچھ معلوم بھی کرنا ہوتا تو وہ شخص خود اس سے دریافت کرتا جس پر سنتیش یہ جواب دیتا کہ:—

''یہ سب چار دن کی چاندنی ہے، جو کچھ معلوم ہونا ہے ایک دن معلوم ہو جائے گا۔''

میں نے کبھی اس بات کی جرات نہیں کی کہ سنتیش کو اس طرز عمل سے باز رکھوں۔ اس لیے کہ اگر میں کچھ کہتا بھی تو اس کی کامیابی کی بہت کم امید تھی اس لیے خاموش رہنا مناسب سمجھا گیا۔ نہ صرف میرے لیے بلکے دمنی کے لیے بھی سنتیش کا طرز عمل ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ تاہم اس کو سنتیش کی خدمت اور اکیلے کھانے پینے کا خاص طور پر خیال رہتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سنتیش نے دمنی سے وعدا کیا کہ وہ دوپہر تک واپس آ جائے گا۔ اور بغیر کھائے پیئے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف چلا گیا۔ مقررہ وقت گذرنے پر دمنی بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگی۔ اسی تردد میں شام بھی قریب آ گئی لیکن سنتیش کا پتا نہ تھا۔ دمنی اس کے انتظار میں خود بھی بھوکی بیٹھی ہوئی تھی

جب بہت زیادا دیر ہو گئی تو اس سے رہا نہ گیا چنانچہ اس نے ستنیش کا کھانا ایک کشتی میں رکھا اور اس کی تلاش میں چلنی بنی۔ دریا کے ترٹ کے پہنچ کر وہ سوچنے لگی کہ آخر جائے تو کہاں جائے۔ ستنیش کے بیٹھنے کی جگہ مقرر تو تھی نہیں۔ جنگل گھنا اور بھیانک زمین اکثر مقامات پر پتھریلی رستے نامعلوم شام کا وقت اندھیرا چھا رہا ہے پکڑوں کی کان پھاڑ آواز سے وحشت طاری ہو رہی ہے۔ وہ پریشان تھی کہ کون سا رستہ اختیار کیا جائے۔ آخر کار مشکل سے ایک رستے پر پاؤں کے کچھ نشان دکھائی دیے وہ انہیں کے قدم بہ قدم چلنے لگی۔ چلتے چلتے ایک چھوٹے سے ٹیلے کی طرف جا نکلی۔ جہاں ستنیش عبادت میں مشغول تھا۔ تھوڑے سے فاصلے سے دمنی کی اس پر نظر پڑی۔ چنانچہ وہ اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس کو دیکھ کر ستنیش نے تعجب کے ساتھ دریافت کیا:

"تم یہاں کیسے"

"میں آپ کا کھانا لے کر آئی ہوں"

"مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں" ستنیش نے عادتی روکھے پن سے کہا "جو بکے بہت دیر ہو چکی تھی!"

"مضائقہ نہیں" "میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"میں آپ کی عبادت میں مخل نہ ہوں گی۔ آپ کے عبادت ختم کرنے تک میں یوں ہی کھڑی رہوں گی!"

"کس لیے ٹھہرتی ہو" ستنیش نے غصیلی آواز میں کہتے ہوئے اس

کی طرف دیکھا۔ غریب دمنی پر ہیبت چھا گئی۔ وہ وہاں سے الٹے پاؤں پلٹ گئی۔ اور پورا رستا روتے ہیں کاٹ دیا۔

جب میں مکان میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ دمنی صحن میں بیٹھی ہوئی چلا چلا کر رو رہی ہے میں نے اس کو سمجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن اس نے نہ مانا مجھے غصا آ گیا اور میں نے اس سے کہا

دیکھو دمنی۔ یہ تو کچھ ٹھیک بات نہیں۔ تم رات دن ستیش ہی کا خیال کرتی ہو۔ میری تو تمہیں مطلق پروا نہیں۔

"میں اس کا خیال ضرور کروں گی" اس نے روتے ہوئے کہا۔ شاید تمہیں اس کی خبر نہیں کہ جب انسان روحانیت کی طرف مشغول ہو جاتا ہے تو اس کو کسی بات کی فکر نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ بھوک پیاس سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حال ستیش کا بھی ہے اس حالت میں اگر تم اس کی خبر گیری نہیں کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک عورت ہوں دمنی نے کہا اپنی زندگی اور اپنے وجود کے ساتھ دوسرے انسانوں کا بھی خیال رکھنا ہمارا دھرم ہے۔ خصوصاً جب کبھی عورتیں اس قسم کے واقعات سے آگاہ ہو جاتی ہیں تو ان پر چین آرام حرام ہو جاتا ہے"

یہ گفتگو سن کر میں نے اس غریب عورت سے طنزاً کہا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ جو روحانیات میں گھسے ہوئے ہیں تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر تک نہیں دیکھتے۔ اس لیے کہ تم جیسے لوگ ان کی جان کی حفاظت کرتے ہیں۔

"کیا کہا! ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ دمنی نے ذرا

جوش میں آکر کہا "ان کی نظریں دیکھنے کے لیے آنکھ پیدا کرو بانم جیسے بدگمان انتخاص پر اگر ان کی غضب آلود نگاہ کا پرتو بھی پڑ جائے تو جل کر خاک ہو جائیں۔"

یہ سن کر ہیں بے اختیار ہنس پڑا۔ اور اس سے کہا کہ ٹھیک ہے آخر تم عورت ذات ہی ہو نا شاید اسی کرامت نے تمہارے دل پر اثر کیا ہے۔ اچھا سری ویلاس بابو جب تم دوبارہ دنیا میں آنا تو ایسا ہی جسم اختیار کرنا اس لیے کہ ہزاروں دلوں پر تمہاری حکومت ہوگی

(۴)

دریا کے کنارے ستیش نے دمنی کو سخت سست کہا تھا لیکن بعد میں خود اس کو نادم ہونا پڑا چند ہی روز بعد ستیش نے اپنا طرزِ عمل بدل دیا اب وہ دمنی سے اچھی طرح بات چیت کرتا اور اپنا راز تک اس سے بیان کر دیتا۔ اس کے علاوہ اب ستیش وہ ستیش نہیں تھا، جو کئی کئی دن تک بھوک کی حالت میں سنیاسیوں کی طرح جنگلوں میں بسر کرتا تھا۔ دمنی روزانہ دو مرتبہ اس کو کھانے جا کر دیتی اور وہ بلا کسی عذر کے قبول کر لیتا۔ اور اپنے مقررہ وقت پر کھا لیتا تھا۔

ستیش کی اس غیر متوقع حالت کو دیکھ کر دمنی حیران تھی کہ آخر اس انقلاب کی وجہ کیا ہے ان حرکات سے دمنی کو یقین ہو گیا تھا کہ ستیش پھر سے ایک مرتبہ بغاوت کا علم بلند کرے گا۔ کچھ عرصے تک یوں ہی گذرتی رہی۔ اور ستیش نے اس کو پھر سے تنگ کرنا شروع کر دیا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک دن دمنی نے خفا ہو کر اس سے کہا۔

" واقعی تم نے جس قسم کی گوشہ نشینی اختیار کی تھی بالکل بجا تھی۔

میرے ساتھ تمہاری یہ بے تکلفی شاید تمہارے ہی لیے نقصان دہ ثابت ہو۔ اور میں کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ تم مصیبتوں کا شکار بنو۔ میرے خیال میں اس کی صرف یہی ایک بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ میں اپنے قدیم ہمسایوں سے پھر سے تعلقات پیدا کر کے گھر بار کے جھگڑوں سے نجات ہو جاؤں بہت ممکن ہے کہ اس طریقے سے تم اور میں دونوں مصائب سے بچ سکیں"

ایک دن آدھی رات کے وقت جب کہ ہم میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے "سری ویلاس بابو، سری ویلاس بابو اور دمنی۔ دمنی!" کی کان پھاڑ چیخیں سنائی دینے لگیں۔ ہم دونوں اپنے بستروں سے اٹھ کر کمرے سے باہر گئے۔ اور کیا دیکھتے ہیں کہ ننیتش دروازے پر کھڑا پکار رہا ہے جس وقت اس کی نظر ہم دونوں کی پریشان حالی پر پڑی تو اس نے کہا:۔

"ہاں میں صرف یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ ۔۔۔"

دمنی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ننیتش بھی اس کے بازو جا کر بیٹھ گیا۔ موقع پا کر میں بھی چپکے سے ان دونوں کے پیچھے ہو رہا۔

ننیتش نے دمنی سے کہا "اگر میں اس کی تلاش کا یہی سلسلہ جاری رکھوں تو ممکن ہے کہ میں بھٹک جاؤں اور اگر اس کے خلاف کروں تو صرف اسی صورت میں ہماری تمہاری ملاقات ممکن ہے"

میں ننیتش کی مشتعل آنکھوں پر غور کر رہا تھا۔ اور اس کی صداقت بھری باتیں میرے دل پر اثر کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود میں متحیر تھا کہ اس کی اس بحث کا مقصد؟ وہ صورت کا دلدادہ ہے،

ستیش نے کہا "اب وہ صورت ہی کی طرف راغب ہوتا جا رہا ہے ہم محض ظاہرداری پر تو زندگی بسر نہیں کر سکتے ہمیں چاہیے کہ اس کی بجز ظاہرداری ناشکل کی طرف راغب ہوں۔ وہ آزاد ہے اس لیے اس کا تماشا محدود نہیں۔ ہم مجبور ہیں اس لیے ہم آزادی ہی میں خوشی اور مسرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمارے غم کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم باتوں کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

ہم دونوں نہایت استعجاب کے ساتھ اس کی اس عالمانہ گفتگو کو سن رہے تھے۔

"دمنی! کیا یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آتیں؟" اس نے دریافت کرتے ہوئے کہا۔

"جو شخص گاتا ہے وہ خوشی کا حظ حاصل کر کے نغمہ سرائی کو پہنچتا ہے اور جو سننے والا ہے وہ نغمہ سننے کے بعد خوشی سے پھول جاتا ہے۔ ایک شخص آزادی سے غلامی اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرا اس کے برعکس اور جب تک یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوں یہ سلسلہ قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اور نہ کسی قسم کا ربط پیدا ہونے کی امید ہو سکتی ہے وہ نغمہ سرائی کرتا ہے ہم اس کو سنتے رہیں ہمارے لیے نغمہ سرائی کرتے ہوئے وہ غلامی کی زنجیر ہلاتا ہے۔ اور ہم اس کو سنتے ہوئے اس زنجیر کی کڑیوں کو مضبوط تر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

میں نہیں سمجھتا کہ دمنی ستیش کے ان مـ ... نہ خیالات کو سمجھ سکی ہوگی۔ لیکن وہ ستیش کے جذبات سے متاثر ضرور ہو رہی تھی اور ستیش کی گفتگو بہت غور سے سن رہی تھی۔ کچھ وقفے کی خاموشی

کے بعد ستیش نے کہا۔

"رات بھر میں اس کی نغمہ سرائی سن رہا تھا۔ آخر کار مجھ پر وہ ظاہر ہی ہوگیا۔ میں اس چیز کو چھپائے نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے تمہیں آواز دی۔ اب تک میں اس کوشش میں تھا کہ اس کو کسی نہ کسی طرح اپنا بناؤں لیکن افسوس کہ باوجود ان تھکا دینے والی کوشش کے وہ میرے ہاتھ نہ آسکا۔"

اس کے بعد ستیش نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

"اے وہ مجھ کو تباہ و برباد کرنے والے! اے محبت کی کڑیوں کو توڑنے والے! اب مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تو اپنی یاد اور محبت میں تباہ ہو جانے دے۔ غلامی میرا حصہ نہیں اس لیے میں اب کسی طرح غلامی کے بندھنوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مجبوری تیرا حصہ ہے اسی لیے تو ہمیشہ سے تخلیق کے جنجال میں پھنسا ہوا ہے اچھا! اب تو پھر سے اپنی کرشمہ سازیاں شروع کر دے اور ہماری ظاہر داری کے باعث تو مجھے اپنی تلاش میں ملیا میٹ ہو جانے دے۔ اے میرے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے والے! تو میرا ہے! میرا ہے!! میرا اور میرا ہی ہے!!!" یہ کہتے ہوئے ستیش دریا کی طرف چلا گیا اور پھر سے اس پر وہی پہلے سے جذبات طاری ہو گئے۔

خدا بھلا کرے غریب دمنی کا جو ایک ایسے ضدی اور کم عقل انسان کی محبت میں دیوانی ہے۔

(۵)

جس وقت ستیش چلا ہے، پو پھٹ رہی تھی۔ سونے کا کوئی موقع باقی نہیں تھا۔ ستیش کی فلسفیانہ گفتگو نے ہمالیے رکھے تھے

حواس اڑا دیے تھے

ہمارے دماغ معطل ہو چکے تھے۔ تمام دن ان ہی معموں کے حل کرنے میں گذر گیا۔ سوچتے سوچتے رات بھی قریب آ گئی۔ رات میں طوفان اور دھواں دھار بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا ہمارے مکان کے چلا کمرے دالان ہی کے حصے میں تھے۔ جہاں رات بھر ایک چراغ جلتا رہتا تھا۔ باد و باراں کی وجہ سے چراغ بجھ گیا تھا۔ اور بارش کی کثرت کے باعث دریا میں طغیانی آ رہی تھی۔ اندھیرا اس غضب کا تھا کہ خدا اپنے جسم کے سفید کپڑے تک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ اس وحشت خیز اندھیرے میں بادل کی گرج اور خصوص بجلی کی چمک عجیب خوف ناک منظر پیش کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ جنگل میں اور دریا کے کنارے کنارے بانس کی رگڑ کی دل خراش آواز ایسی تھی گویا ایک خونخوار شیر دردناک آواز سے چلا رہا ہے ایسے مناظر کو دیکھنے اور اس قسم کے بھیانک شور کو سننے کے لیے واقعی پتھر کا کلیجا درکار تھا۔ نیند عنقا بن گئی تھی میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا قدرت کے ان کرشموں پر غور کر رہا تھا کہ اسی اثنا میں میں نے دمنی کو "کون ہے؟" کہتے ہوئے سنا۔

"میں ہوں دمنی میں" ستیش نے جواب دیا:

"چونکہ تمہارے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ اور بوچھاڑ اندر تک جا رہی تھی۔ اس لیے میں انہیں بند کرنے کی غرض سے چلا آیا۔" یہ کہتے ہوئے وہ دالان میں ٹہلنے لگا۔

دمنی نے اس کی منت سماجت کی اور پاؤں بھی پڑے کہ بارش

ہو رہی ہے۔ سردی زوروں پر ہے گھر سے ہی چلو تو مناسب ہوگا۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور الٹے پاؤں چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد دمنی کے اضطراب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہر مرتبہ باہر نکل کر طوفان کا مقابلہ کرتی۔ لیکن ہوا کے زور دار تھپیڑوں سے پلٹ کر مکان میں واپس آجاتی

آخر کار اس نے جگر سے پتھر باندھا اور طوفانی جھونکوں کا مقابلہ کرتی ہوئی دریا کے کنارے کی طرف چلی گئی، جہاں ستیش کھڑا دریا کی طغیانی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر دمنی اس کے پاؤں پر گر پڑی۔ اور گڑگڑا کر روتے ہوئے کہنے لگی۔

"ستیش تمہاری جان کی قسم! خدا کی قسم میں سچ کہتی ہوں کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ یوں میں ان دو زخمی آفتوں کا شکار بنی ہوئی ہوں۔"

ستیش ایک پتھر کے مجسمے کی طرح بلکل خاموش اور ساکت کھڑا ہوا تھا۔ گویا اس نے دمنی کی کوئی گفتگو سنی ہی نہیں۔

"ستیش"، دمنی نے اس سے روتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اپنے پاؤں سے ٹھکرا کر اس طوفانی دریا میں ڈھکیل دو ستیش! ستیش! خدا کے لیے گھر چلو۔"

بغیر کچھ کہے سنے ستیش چپکے سے اس کے ساتھ ہو گیا۔ اور مکان میں داخل ہوتے وقت اس نے کہا۔ "دمنی تم جانتی ہو۔ میں اس کی تلاش میں ہوں جو لامکان ہے۔ اور جب وہ میرے ہاتھ آجائے گا تو پھر مجھے ہر ایک چیز ہیچ معلوم ہوگی۔ دمنی! دمنی! یہ

حال پر رحم کر۔ چھوڑ۔ چھوڑ مجھے اسی کا ہو رہنے دے!!
کچھ دیر سوچنے کے بعد دمنی نے کہا۔
"اچھا میں آپ ہی کی مرضی پر چھوڑ دیتی ہوں۔"

(۶)

اوپر جو واقعات بیان ہوئے خدمین نے دیکھے یا سنے نہیں بلکہ دمنی نے بعد میں مجھ سے بیان کیے۔ آخر وقت میں نے صرف یہی دیکھا کہ ستیش اور دمنی دالان میں ٹہلتے ہوئے اپنے اپنے کمروں کی طرف گئے۔ میں اپنی اس وقت کی کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں کہ میرے سینے میں رشک و حسد کے شعلے کس بڑی طرح بھڑک رہے تھے میں مجبور تھا کہ ان دونوں سے کچھ نہ کہوں۔ اسی اضطراب کی حالت میں رات گذار دی۔

ستیش کے پند و نصائح نے دمنی کے دل پر اپنا گہرا اثر بٹھا دیا تھا صبح جب میں نے دمنی کو دیکھا تو اس کو متغیر پایا۔ اس کی بات چیت اور چال ڈھال تک میں فرق آگیا تھا۔ سویرے اس نے مجھ سے کہا۔
"کیا تم مجھے کلکتہ لے چلو گے؟"

میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ اپنے آرام کی متلاشی ہے۔ کیونکہ وہ ستیش سے بہت تنگ آگئی تھی۔ زندگی کی ہر گھڑی اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی۔ انہیں وجوہ کی بنا پر میں نے بھی کسی قسم کا عذر نہیں کیا بلکہ اس کے خیال پر رضامندی ظاہر کر دی۔

میرے ساتھ چلنے سے پہلے دمنی نے ستیش سے مل کر کہا۔
"ستیش! اس گناہگار سے جو بھی قصور رہا ہے خدا کے لیے

معاف کر دینا۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بابو میں نے اس سے پہلے بھی تصور کی معافی مانگی تھی۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ مجھے بخش دیں گے۔

اس کے بعد ہم دونوں بنبش سے ملے اور رخصت چاہی۔ چلتے وقت رستے میں پھر میں نے دمنی سے شکایت کی کہ وہ کس طرح جج سے بے اعتنائی برتتی ہے۔ اور اس پر چند شبہات بھی ظاہر کیے۔ دمنی نے غصے میں آ کر کہا۔

"میری موجودگی میں ستیش کے متعلق تمہاری یہ جرات کچھ ٹھیک سی نہیں معلوم ہوتی۔ تم کیا جانو کہ اس نے مجھے کس کس بلا سے نجات دلائی ہے تم تو صرف میرا ظاہری رنج و غم دیکھ سکتے ہو۔ کیا تم اس وقت اندھے بن گئے تھے۔ جب ستیش نے محض بچ کو بچانے کی خاطر مختلف تکلیفیں برداشت کیں۔" یہ بیان کرنے کے بعد دمنی نے رونا شروع کر دیا اور کچھ وقفے بعد دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا کر اس نے دعا مانگنی شروع کی کہ ــــ

"اے خدا میں کس آفت کا شکار بن گئی ہوں۔ بچا بچا مجھ کو اس بلا سے نجات دے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے غصے سے اپنے سینے پر مارنا شروع کیا۔ میں نے بڑی کوشش کے بعد اس کو اس حرکت سے باز رکھ سکا۔

ہم مغرب کے قریب کلکتا پہنچ گئے۔ دمنی اپنی چچی کے گھر چلی گئی اور میں اپنے ایک قدیم دوست کے گھر رستے میں جو بھی ملاقاتی مجھ سے ملتا پریشانی کے ساتھ دریافت کرتا "کیوں بھئی خیریت بابو تمہارا

مزاج کیسا ہے۔ تمہاری یہ کیا گت بنی ہے، آخر شکایت کیا ہے۔ کہیں بیمار تو نہیں پڑ گئے تھے" وغیرا وغیرا۔

دوسرے روز مجھے دمنی کا ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا۔

"مجھے واپس لے چلو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ لیلا نند اساجی سے علٰحدا ہونے کے بعد ہی ہمارے تعلقات کے بارے میں مقامی اخباروں میں طرح طرح کی پھبتیاں اور ہم دونوں کے کردار کے متعلق خوب تنقیدیں کی گئی تھیں۔ شہر کا ہر شخص ہم سے متشکی ہو گیا تھا۔ ذات برادری کے لوگ ہم سے تنفر برتتے تھے۔ گویا ہم سب کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے تھے۔ اس لیے بدنامی سے بچنے کی خاطر دمنی کی چچی نے بھی اس کو اپنے گھر رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔

خط کے دیکھتے ہی میں فوراً دمنی کے پاس گیا۔ اور تمام حالات دریافت کیے۔ اب میں سوچ میں پڑ گیا کہ اس کو لے جاوں تو کدھر میرا اپنا گھر تو تھا نہیں۔ اس کے والدین بھی زندا نہیں تھے۔ لیکن اس کا ایک بھائی موجود تھا۔ اس خیال سے مجھے کسی قدر تشفی ہوئی کہ ٹھکانے کا ایک ذریعا تو نکل آیا۔ چنانچہ میں نے دمنی سے اس کا پتا دریافت کیا لیکن دمنی نے اس کا پتا بتانے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ خدلیے روزگار اور پریشان حال شخص ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط تھی۔ دمنی کے اس عذر کا اصل سبب یہ تھا کہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں چچی کی طرح بھائی بھی صاف انکار نہ کر دے پھر تو بڑی سبکی ہو گی۔

"میں نے خود اس سے دریافت کیا تھا وہ آپ تمہارا اراداکیا ہے۔
سوامی جی کے حضور میں" دمنی نے دبی زبان میں جواب دیا۔
اس کے اس غیر متوقع جملے کو سن کر میرے ہوش جاتے رہے۔ میں
تعجب کر رہا تھا کہ پھر کیسے اس کا دماغ ایک دم منتقل ہو گیا۔ کیا تقدیر نے
یہ آخری چال بازی اسی دن کے لیے اٹھا رکھی تھی۔ دمنی کی اس حرکت
پر مجھے بار بار غصہ آرہا تھا۔ اس لیے کچھ ترش روئی کے ساتھ میں نے
اس سے دریافت کیا آیا وہ دوبارہ انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دیں گیا
"سب مجھے" دمنی نے آہستہ سے کہا۔
"مگر دمنی سنو! اگر تم میری بات مانو تو ایک ترکیب بتا دوں"۔
"وہ کیا" اس نے جلدی سے کہا "فرمایئے فرمایئے"
اگرچہ ایک غیر شخص کے گھر میں ٹھہرنا تمہیں ناگوار تو ضرور گذرے گا
تم خود بتاؤ کہ مجبوری کی حالت میں اس کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے اس وقت
ہمارے پاس زر زیور ہی ہے اور نہ نقد رقم۔ جو ہم کرایہ سے مکان لے
کر رہیں میرے ایک پرانے دوست نارائن کا مکان آج کل بالکل خالی
پڑا ہوا ہے۔ اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو چلو ہم وہیں چل کر رہیں۔
"آپ کی مرضی" اس نے نیم رضامندانہ الفاظ میں کہا۔

(۷)

دمنی کے اظہار رضامندی کے بعد میں فوراً اپنے قدیم دوست کے گھر
گیا اور اس سے پوری داستان کہہ سنائی۔ اس نے نہ صرف اجازت دی
بلکہ اپنے لئے فخر سمجھا ہم دونوں اس مکان میں منتقل ہو گئے۔
چونکہ کلکتہ میں پہلے ہی سے میری علمی لیاقت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا

اور رائے چند پریم چند کا انعامی وظیفہ حاصل کرنے اور ایک پروفیسر مقرر ہونے کی حیثیت سے کلکتہ کا ہر شخص مجھ سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لیے تلاش معاش میں مجھے کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کلکتہ کالج میں پروفیسری کی ایک جائیداد تقرر طلب تھی۔ میری درخاست کے گذرتے ہی اس پر میرا تقرر کر دیا گیا۔

ملازمت کے بعد ہماری مالی پریشانیاں دور ہو گئیں لیکن دمنی کو ہر وقت ستیش کی یاد رہ رہ کر ستاتی تھی۔ چند مہینے بعد تو وہ بالکل ہی بے قرار ہو گئی۔ اور مجھ سے اصرار کرنے لگی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ستیش کو ہمارے گھر بلوا لیا جائے۔ اس کے کہنے پر میں نے ستیش کو متعدد خطوط لکھے اور دمنی کی پریشان حالی کا بھی ذکر کر دیا۔ لیکن اس نے ایک خط کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دمنی کو بہتیرا سمجھایا کہ نہ معلوم وہ زندہ ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر زندہ ہے تو کس جنگل اور پہاڑی کے دامن میں رہتا ہے۔ اس کی تلاش کرنا ناممکن سے کم نہیں۔ اس کے باوجود دمنی اسی بات پر مصر تھی کہ ——

"تم خود جاؤ اور جس طرح بھی ممکن ہو اس کو یہاں لے آؤ ——"

مجبور ہو کر میں نے دمنی سے کہا ——

سنو! اگر میں خود جاؤں تو ممکن ہے وہ میری بات نہ مانے اور آنے سے انکار کر دے۔ بہتر ہو گا تم اور میں دونوں مل کر چلیں۔ اس پر دمنی راضی ہو گئی۔ دسہرے کی چھٹیاں قریب تھیں۔ اس لیے میں نے یہ طے کیا کہ چہار شنبہ کو ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے۔

ہم ستیش کی تلاش میں اسی مقام کی طرف جا نکلے جہاں وہ شروع ہی سے بیٹھنے کا عادی تھا۔ اس کو دیکھے ہوئے ایک عرصہ گذر چکا تھا۔ اب کی بار جب

ہم نے اس کو دیکھا تو سخت حیرت ہوئی کہ آیا یہ وہی ستیش ہے۔ اس کی ہیئت بالکل ہی بدل گئی تھی۔ بال بہت لانبے ہو گئے تھے اور وہ دبلا پتلا اور کمزور نظر آرہا تھا۔ چونکہ ہم کو ملے ہوئے بہت عرصہ ہوا تھا اس لیے ستیش نے ہم سے نہایت تپاک سے ملاقات کی اور خندہ پیشانی سے ہمارا خیر مقدم کرتے ہوئے ہماری آمد کی وجہ دریافت کی جس پر دمنی نے کہا۔

"ستیش بابو! ہم آپ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔"

"دمنی" ستیش نے کہا "آپ دونوں کا بے حد شکریہ۔ میری یہ درخواست ہے کہ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دیجیے۔ میں اسی گمنامی کی حالت میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں" دمنی نے کہا "ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہم آپ کو لے گئے بغیر نہ رہیں گے۔ آپ کو ضرور چلنا ہوگا" میرے اور دمنی کے پے در پے اصرار پر ستیش نے رضامندی ظاہر کی اور ہم تینوں خوشی خوشی شہر لوٹے مکان پہنچنے کے بعد ستیش نے مجھ سے کہا۔

"سری! اب ہم کسی اور کے گھر کیوں رہیں۔ چلو اپنے ہی گھر کو پھر سے آباد کریں۔ اس کی یہ رائے مجھے بھی پسند آگئی۔ ہم نے اس کی رائے پر فوراً عمل کیا۔

اس کے چند روز بعد ہی مجھے جو جانکاہ واقعہ پیش آیا۔ اس کے رنج و غم کا بیان کرنا میری قوت سے باہر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک طویل عرصے سے دمنی کے سینے میں خفیف سا درد تھا۔ چونکہ درد قابل برداشت تھا اس لیے اس نے بار بار ہم پر ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن کچھ عرصے بعد

درد میں اضافا ہوگیا۔ علم ہوتے ہی میں نے معقول طریقے پر علاج شروع کرا دیا۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کے بعد کہا کہ مرض بہت بڑھ چکا ہے صحت کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ میری پریشانی بڑھ گئی میں ہر ڈاکٹر کے گھر دیوانے کی طرح دوڑے جاتا تھا۔

شہر کا کوئی حکیم ڈاکٹر نہیں چھوٹا جس سے علاج نہ کروایا گیا ہو۔ ہر ایک نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی مگر مرض میں کسی قسم کا افاقہ نہ ہوا بلکہ حالت دن بدن ردی ہوتی چلی گئی۔

ایک دن جبکہ میں دمنی کو دوا پلانے کی کوشش کر رہا تھا اس نے مجھ سے کہا "رکھ دو۔ یہ میرا آخری وقت ہے دوا وغیرہ اب کچھ فضول ہے" سانس لے کر دمنی نے کہا ——

"سری ویلاس بابو! افسوس کے ہماری تمام حسرتیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں ہے" کہتے ہوئے بستر پر لیٹ گئی اور ساتھ ہی —— اس کی روح پرواز کر گئی۔

افسوس! دمنی! میں اب تک تیرے اصلی کردار سے ناواقف تھا تو ایک حور بہشتی تھی اور پیکر اخلاق۔ میں نے تیری خدمت نہیں کی اگر مجھ سے کوئی قصور ہوا ہو تو معاف فرمانا۔

ستیش پلنگ کے پاس بیٹھا آنسو کا دریا بہا رہا تھا۔

دمنی کے پہچاننے میں ہم دونوں نے غلطی کی تھی۔ وہ پریم پجارن تھی۔ اس کو ستیش سے ازلی عشق تھا۔ اور اس نے محبت کی اس آگ کو اپنے سینے ہی میں دبائے رکھا تھا۔ آخر وقت تک اس کے اعلا کردار کے پہچاننے میں ہم دونوں نے بھول کی۔ اب سوائے افسوس کے چارا ہی کیا ہے۔